جدید ذرائع ابلاغ سے رویت ہلال کے ثبوت کی شرعی حیثیت

ابھرتے ہوئے جدید مسائل میں دربارۂ رویت ہلال، ٹیلیفون، فیکس، ای میل کے معتبر ہونے کا مسئلہ سرفہرست ہے۔

اس موضوع پر ملک کے مختلف شہروں میں کئی سیمینار ہوئے، درجنوں اخبارو رسائل میں اس پر مضامین شائع ہوئے۔ بعض سیمیناروں میں فقہائے کرام کی تصریحات کو بالائے طاق رکھ کر یہ فیصلہ بھی کر دیا گیا کہ اگر چند موبائل کے ذریعہ رویت ہلال کی خبر موصول ہو جائے تو یہ خبر مستفیض ہے۔ کچھ سالوں پہلے شرعی کونسل آف انڈیا بریلی شریف میں بھی یہ موضوع زیر بحث آیا جس میں بعض مقالہ نگار مفتیوں نے اس پر بڑا زور صرف کیا کہ چند موبائل، ٹیلیفون سے حاصل ہونے والی خبر کو خبر مستفیض مان لیا جائے اور اس پر بھی کہ قاضی کا اعلان اس کے پورے حدود قضاء میں معتبر ہونا چاہئے ابھی ۱۹ ستمبر ۲۰۱۳ء کو رویت ہلال سے متعلق اجمیر شریف میں بھی ایک سیمینار ہوا جس میں مذکورہ بالا فیصلہ کا اعادہ کیا گیا۔ بعض احباب نے بار بار مجھ سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ ان مقالات، مضامین، تحریروں اور فیصلوں کے مدنظر میں بھی کچھ لکھ دوں تا کہ عوام مسلمین پر صحیح حکم شرعی و فقہی نقطۂ نظر واضح ہو جائے۔ بحمدہٖ تعالیٰ گونا گوں مصروفیات و علالت کے باوجود چند صفحات ارقام کروائے جس میں اصل موضوع پر تحقیق مباحث کے ساتھ ساتھ ازالۂ شبہات کا بھی التزام کیا ہے، مولیٰ تعالیٰ اسے مسلمانوں کی ہدایت کا ذریعہ بنائے اور صحیح حکم شرعی پر عمل کی توفیق بخشے۔ آمین۔

رویت ہلال سے متعلق اجمیر شریف میں ہونے والے سیمینار کے کچھ مقالات ملاحظہ ہوئے سرفہرست ایک مکتوب پڑھوا کر سنا۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی جگہ سے اگر

چند موبائل کے ذریعہ رویتِ ہلال کی خبر پہنچے تو یہ خبر مستفیض ہے جس پر عمل ضروری ہے اور یہ کہ یہ شہادت کے قبیل سے نہیں بلکہ خبر ہے لہٰذا مخبر کا حاضر ہونا ضروری نہیں، مخبر اگر دور ہو اور اس کی خبر کسی آلہ کے ذریعہ سنی جائے تو بھی یہ خبر ہے اور اگر مخبر چند ہوں مثلا چار، چھ، نو، بارہ تو خبر مستفیض ہے، یہ خط کے تمہیدی کلمات اور اخیر جملوں کا مفاد ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ آیا ٹیلیفون وغیرہ کا اعتبار دربارۂ رویت ہلال ہے یا نہیں؟ اور اگر متعدد ٹیلیفون کسی شہر سے آجائیں کہ فلاں جگہ رویت ہوئی تو یہ بمنزلۂ استفاضہ ہوگا یا نہیں؟ ظاہر ہے کہ استفاضہ اعلیٰ درجہ کی خبر صحیح ہے۔ اس مقام پر درج ذیل امور کا لحاظ ہونا چاہئے تھا جو نہیں ہوا۔ صحت خبر کا مدار محض سماع پر نہیں بلکہ منجملہ شرائط معتبرہ اتصال بھی درکار ہے۔ اتصال بے ملاقات متصور نہیں۔ اسی لئے تو امام بخاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بالفعل ملاقات کو حدیث کی صحت کے لئے شرط قرار دیا اور امام مسلم نے امکان ملاقات کی شرط رکھی یعنی انہوں نے اس پر محمول کیا کہ راوی کی مروی عنہ سے بوجہ معاصرت ملاقات ہوئی ہوگی۔ اور جہاں راوی اور مروی عنہ کے درمیان سیکڑوں واسطے ہوں تو بدیہی ہے کہ دونوں کا اتصال نہ ہوا تو خبر متصل نہیں بلکہ منقطع ہے اور جب خبر منقطع ہے تو ہرگز بمنزلۂ استفاضہ نہیں ہوسکتی اگرچہ متعدد منقطع باہم مل جائیں جب بھی وہ خبر متصل نہیں ٹھہر سکتی۔

یہاں سے ظاہر ہوا کہ شیخ مصطفیٰ رحمتی رحمۃ اللہ علیہ نے استفاضہ کی جو تعریف بایں الفاظ کی:

”معنی الاستفاضۃ ان تاتی من تلک البلدۃ جماعات
متعددون کل منھم یخبر عن اھل تلک البلدۃ انھم
صاموا عن رویۃ“

تحقق استفاضہ کی شرط ہے نہ یہ کہ تحقق کی مختلف صورتوں میں سے ایک صورت کا بیان ہے کہ اتصال بے ملاقات نا متصور اور ملاقات کے لئے جماعتوں کا آنا ضرور۔

صاحب مکتوب نے غالباً جب یہ دیکھا کہ علامہ رحمتی کی عبارت مکتوب میں درج باتوں کی صریح مخالف ہے تو اس کے تدارک کی یوں سعی کی:

’’خبر مستفیض کی جو تشریح علامہ رحمتی قدس سرہ نے کی ہے اپنے عہد کے لحاظ سے کی ہے اس لئے کہ اس عہد میں ایک جگہ سے دوسری جگہ خبر پہونچانے کے لئے اس کے سوا کوئی صورت نہیں تھی کہ جماعت آکر خبر دے (الیٰ ان قال) خبر مستفیض کی تشریح علامہ رحمتی نے اپنے عہد کے لحاظ سے فرمائی ہے اور یہ خاکسار اس کی تشریح اپنے عہد کے لحاظ سے کر رہا ہے (اس مقام پر یہ ذہن نشیں رہے کہ اس خاکسار کی تشریح علامہ موصوف کی تشریح کو باطل نہیں قرار دیتی، بلکہ خبر مستفیض کی ایک دوسری شکل کی نشاندہی کرتی ہے)‘‘ انتہیٰ کلامہٗ۔

ان کلمات کے پیش نظر صاحب مکتوب سے یہ کیا پوچھا جائے کہ خبر مستفیض کی تقریر جو آپ نے پیش کی اس میں آپ منفرد ہیں یا آپ سے پہلے فقہاء و محدثین میں سے کسی نے خبر مستفیض کی ایسی تقریر کی۔ صاحب مکتوب نے خود اعتراف کر لیا کہ اس تقریر میں کوئی ان کا سلف نہیں جس کے وہ متبع ہوں بلکہ جناب نے بزعم خود خبر مستفیض کی ایک دوسری شکل کی نشاندہی کی جس کا نام ونشان کتب فقہ میں نہیں، البتہ صاحب مکتوب سے اس دعوے پر سند کا مطالبہ ضرور ہے لہٰذا سند پیش کرنا لازم، یا تو وہ یہ بتائیں کہ محل بحث میں آپ کی بات بے سند قابل قبول ہے یا یہ سب کے نزدیک بدیہیات واضحات کے قبیل سے ہے کہ محتاج دلیل نہیں، بہرحال جبکہ یہ امر نزاعی ہے ہرگز بدیہی نہیں، مدعی کو دلیل قائم کرنا ضروری ہے۔ ھاتوا برھانکم۔

خبر مستفیض کی تحقیق

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے استفاضۂ شرعیہ سے متعلق اعلیٰ حضرت

قدس سرہٗ کی تصریحات نقل کر دی جائیں تا کہ ٹیلیفونی استفاضہ کی شرعی حیثیت اچھی طرح واضح ہو جائے۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ فتاویٰ رضویہ میں رقمطراز ہیں:

’’بلکہ وہ استفاضہ جو شرعاً معتبر ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ اس شہر سے گروہ کے گروہ متعدد جماعتیں آئیں اور سب بالاتفاق یک زبان بیان کریں کہ وہاں فلاں شب چاند دیکھ کر لوگوں نے روزہ رکھا یہاں تک کہ ان کی خبر پر یقین شرعی حاصل ہو، ردالمحتار میں ہے: قال الرحمتی: معنی الاستفاضة ان تاتی من تلک البلدة جماعات متعددون کل منهم یخبر عن اهل تلک البلدة انهم صاموا عن رویة لا مجرد الشیوع من غیر علم بمن اشاعه کما قد تشیع اخبار یتحدث بها سائر اهل البلدة ولا یعلم من اشاعها کما ورد ان فی آخر الزمان یجلس الشیطان بین الجماعة فیتکلم بالکلمة فیتحدثون بها ویقولون لا ندری من قالها فمثل هذا لا ینبغی ان یسمع فضلا عن ان یثبت به حکم -اھ۔ قلت وهو کلام حسن ویشیر الیه قول الذخیرة‘‘

[فتاویٰ رضویہ ج ۴، ص ۵۵۲-۵۵۳]

پھر یہ بھی کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ تحقق کی بھی شرط ہے اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں ’’ہمارے ائمہ نے صرف استفاضہ و اشتہار کافی نہ جانا بلکہ اس کے ساتھ تحقق ہو جانے کی قید زیادہ فرمائی، علامہ عبدالغنی نابلسی ’’حدیقہ ندیہ‘‘ میں فرماتے ہیں:

اما خبر المتواتر من الناس بعضهم بعضا بذالک فهو ممنوع لاسناد الکل فیه الی الظن والوهم والتخمین واستفادة الخبر من بعضهم لبعض بحیث لو سألت کل

واحد منهم عن رویته و معاینته لقال لم اعاینه-الخ‘‘

[فتاویٰ رضویہ، ج ۴، ص ۵۶۱-۵۶۲]

مذکورہ بالا تصریحات کی روشنی میں فیصلہ کیا جائے کہ مکتوب میں استفاضہ کی جو نئی صورت پیش کی گئی اس پر استفاضہ کی کون سی تعریف منطبق ہے، اور اگر کوئی تعریف اس جدید استفاضے پر منطبق نہیں تو یہ علیٰ حَدِّ الاُصُولَیِّین[۱] استفاضہ ہی نہیں، ہاں یہ نئی اصطلاح استفاضۂ شرعیہ سے کوسوں دور اور صاحب مکتوب کی اختراع ضرور ہے۔

خبر مستفیض خبر متواتر کا مترادف ہے

ذرا متواتر و مستفیض کی تعریفات ملحوظ رکھ کر بتایا جائے کہ اس جگہ استفاضہ اور تواتر مترادف ہیں یا استفاضہ تواتر کا غیر ہے؟ اس مقام پر فقہی عبارات کا کیا مفاد ہے مثلاً البحر الرائق میں فرمایا: ’’قال الامام الحلوانی من مذہب اصحابنا ان الخبر اذا استفاض من بلدۃ اخریٰ و تحقق یلزمہم حکم تلک البلدۃ‘‘۔ [ج ۲، ص ۲۷۱]

اور تاتارخانیہ میں یوں فرمایا: ’’وعن محمد لا یعتبر حتیٰ یتواتر الخبر من کل جانب ھٰکذا روی عن ابی یوسف‘‘۔ [ج ۱، ص ۱۹۶]

لفظ ’’یتواتر الخبر‘‘ کا وہی مفاد ہے جو البحر الرائق میں ’’استفاض‘‘ کا ہے یا کچھ اور؟ علامہ رحمتی ہی کی عبارت کا صحیح مفہوم کیا بتا رہا ہے اور ’’جماعات متعددون‘‘ کا مفاد کثرت بے حصر ہے یا قلت اور قلیل تعداد کی یقین؟

دو تین چار کو جماعت مانا تو مانا، اس سے بحث نہیں، چار، چھ، نو، بارہ کو متعدد جماعتوں پر مشتمل قرار دیا اس طور پر کہ چار چونکہ متعدد جماعت ہے اسی طرح چھ متعدد جماعت ہے و علیٰ ھٰذا القیاس، تو آپ کے نزدیک چار، چھ پر بھی استفاضہ ہو جائے گا کہ متعدد جماعتیں متحقق ہیں، کیا عرف آپ کے اس دعوے کا مساعد ہے؟ نہیں، بلکہ عرف اس کا مخالف ہے اسلئے کہ جماعت ایک گروہ کو کہتے ہیں جو کثیر افراد پر

[۱] اصول فقہ و اصول حدیث کی روشنی میں۔

مشتمل ہو، از روئے عرف اگر جماعت کا یہی معنی ہے تو ایک جماعت افراد کثیرہ پر مشتمل ہوگی، پھر معنئ استفاضہ میں ’’جماعات متعددون‘‘ کہا از روئے عرف اس کا کیا معنی؟ یہی نا کہ استفاضہ کے لئے متعدد جماعتیں درکار ہیں اور ایک جماعت عرفاً کثیر افراد پر مشتمل ہوتی ہے ایسی جماعت جو کثیر افراد پر مشتمل ہو ایک نہیں متعدد درکار ہیں جن کی کوئی تعداد بیان نہ ہوئی بلکہ مطلقاً افادۂ عدم حصر و تعیین کے لئے اور تاکید مفہوم جماعات کے لئے ’’متعددون‘‘ فرمایا۔

اب اس عبارت کی صحیح تشریح جو مفہوم عبارت کے موافق اور عرف کے مساعد ہے کیا اس کے سوا کچھ اور ہے جو اعلیٰ حضرت نے یوں بیان فرمائی:

’’وہ استفاضہ جو شرعاً معتبر ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ اس شہر سے
گروہ کے گروہ متعدد جماعتیں آئیں اور سب بالاتفاق یک
زبان کہیں کہ وہاں فلاں شب چاند دیکھ کر لوگوں نے روزہ رکھا
یہاں تک کہ ان کی خبر پر یقین شرعی حاصل ہو‘‘ [ج ۱۰، ص ۴۳۵]

اگر یہی مفہوم ہے اور ضرور یہی مفہوم ہے تو اس صورت میں خبر مستفیض خبر متواتر کا مترادف ہے اور متواتر اعلیٰ درجہ کی خبر صحیح ہے جس میں راوی کا مرتبۂ تحمل اور مرتبۂ ادائے خبر میں حاضر ہونا ضروری ہے اور اتنی بات پر جملہ محدثین کا اتفاق چلا آ رہا ہے اور اس صورت میں خبر مستفیض از قبیل روایت ہے نری خبر نہیں کہ اس پر یہ بات جما دی جائے کہ:

’’ٹیلی فون، اور ریڈیو وغیرہ آلات خبر (جن کی
وضع ہی صرف خبر پہنچانے کے لئے کی گئی ہے) سے
حاصل شدہ خبریں بھی خبر ہے۔ الخ‘‘

اب یہاں سوال متوجہ ہے کہ خبر مستفیض یہاں قطعاً بعینہ خبر متواتر ہے جس کے پہلے مرتبے میں بھی ایک دو سے سننا ملحوظ نہیں بلکہ ہر مرتبے میں جماعات کثیرہ کی خبر ہونا

ضرور ہے اس پر حدیقۂ ندیہ کی عبارت جو فتاویٰ رضویہ میں درج ہوئی شاہد عدل ہے اوراس کے آخری کلمات جو یوں ہیں:

’’وربما اذا تأمّلت و تفصّحت وجدت خبر ذالک التواتر الذی تزعمه کله مستندا فی الاصل الیٰ خبر واحد او اثنین‘‘۔ [الحدیقۃ الندیہ ج۲،ص۵۲۱]

واجب اللحاظ ہیں۔

اب بتایا جائے کہ جو نوموبائل کو کافی جانا گیا اوراس سے موصول ہونے والی خبر کو استفاضہ ٹھہرادیا گیا یہ اصولیّین میں امر متفق علیہ کا خلاف ہے یا نہیں؟ اور معنیٔ استفاضہ جس کی تشریح اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے کلام سے گزری اور جو قدیم سے علماء میں ایسا معروف ومشہور چلا آرہا ہے کہ اس کے سواوہ اور کوئی معنی نہیں جانتے، ان لوگوں کا پیش کردہ معنی اور استفاضہ کی دوسری شکل جسے آج اختیار کیا جارہا ہے کیا اس کا لحاظ معنی قدیم معمول بہ کا رافع نہیں اگر نہیں تو کیسے نہیں؟ کیا یہ دوسری شکل پہلی شکل کے ساتھ جمع ہوسکتی ہے اگر ہوسکتی ہے تو کیسے؟ اور اگر نہیں ہوسکتی کہ دونوں ایک دوسرے کی نقیض ہیں اور اجتماع نقیضین محال، تو جب یہ دوسری ہوگی تو پہلی کیونکر نہ اٹھ جائیگی۔

اس جگہ بلحاظ مناسبت مقام بطور جملہ معترضہ یہ عرض کردوں کہ منعقدسیمینار کی رپورٹ میں چلتی ٹرین پر فرض وواجب حقیقی وحکمی کی ادائیگی کے متعلق یہ کہا گیا کہ

’’چلتی ٹرین پر فرض وواجب حقیقی وحکمی کی ادائیگی کے بعد اعادہ کی حاجت نہیں جیسا کہ خود فتاویٰ رضویہ کی عبارت سے واضح ہے، یہ حکم کسی طرح بھی نہ فتاویٰ رضویہ کے خلاف ہے، نہ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ سے انحراف ہے، نہ ہرگز ہرگز کسی طرح یہاں خرق اجماع مسلمین متصور‘‘۔

یہ دعویٰ تو کیا گیا کہ یہ حکم کسی طرح بھی نہ فتاویٰ رضویہ کے خلاف ہے نہ اعلیٰ

حضرت قدس سرہ سے انحراف ہے لیکن اگر غور کیا جائے تو یہ دعویٰ اپنے آپ میں انتہائی حیرت انگیز ہے، فتاویٰ رضویہ سے جو ظاہر ہے بلکہ جو اس کا صریح منطوق ہے کہ چلتی ٹرین پر یہ نمازیں نہیں ہوسکتیں، اس کے خلاف کو ظاہر بتادیا اور اس پر یہ بات جمادی ’’نہ ہرگز ہرگز کسی طرح یہاں خرق اجماع مسلمین متصور‘‘۔

خبر مستفیض میں مخبرین کا حاضر ہونا ضروری ہے

اگرچہ استقرار واتحادِ مکان کی اجماعی شرطیں نظر انداز کردی گئیں اور اصل اجماعی کہ منع من جہۃ العباد کا اعتبار نہیں کو درخور اعتنا نہ سمجھا گیا بلکہ شاید اسے مانع سماوی خیال فرمایا، یہ حال تو ٹرین کے مسئلے میں تمام فقہاء کی تصریحات بالخصوص اعلیٰ حضرت کے فرمان کے ساتھ ہوا، کیا اس جگہ بھی نہ کہیں گے ’’جیسا کہ فتاویٰ رضویہ سے ظاہر ہے، یہ حکم کسی طرح بھی نہ فتاویٰ رضویہ کے خلاف ہے نہ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ سے انحراف ہے نہ ہرگز ہرگز کسی طرح یہاں خرق اجماع مسلمین متصور‘‘۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ جب خبر مستفیض، خبر متواتر ہے اور یہاں خبر متواتر، مجرد خبر نہیں بلکہ از قبیل روایت ہے اور روایت کے تحمل وادا میں جو دستور اہل فقہ وحدیث و ائمہ قدیم وحدیث میں معمول ومتوارث چلا آرہا ہے اس کا خلاف کیا خلافِ اجماع نہیں؟ اور معمول قدیم متوارث کی خلاف ورزی نہیں؟ ہے اور ضرور ہے اور اس طرح یہاں دو وجہ سے خرق اجماع نقد وقت ہے۔

پھر یہ سوال ہے کہ کیا خبر مستفیض، مجرد خبر ہے یعنی اس میں کوئی ایسی بات نہیں جو اس خبر کے درمیان اور شہادت کے درمیان قدر مشترک ہو، یا اس میں کوئی قدر مشترک ہے بر تقدیر اوّل کیا ایسی مجرد خبر حجت شرعیہ ہوسکتی ہے؟ بر تقدیر ثانی وہ قدر مشترک کیا ہے؟ یہی نا کہ ایسی خبر میں شہادت کی طرح معنیٔ الزام ہے تو اس لحاظ سے یہ من وجہ شہادت کی طرح ہے اور شہادت کے دونوں مرتبوں یعنی مرتبۂ تحمل ومرتبۂ ادا میں حضور کا لحاظ ہے جس کی رو سے یہ ضروری

ہے کہ وہ تحمل اور ادائے شہادت کے موقع پر حاضر ہو۔

یہی وجہ ہے کہ علامہ رحمتی نے استفاضہ کی وہ تعریف کی جس کی رو سے جماعت مخبرین کا دوسرے شہر میں قاضی کے روبرو حاضر ہونا ضروری ہے، جن حضرات نے استفاضے کی دوسری قسم کی نشاندہی کی جسکی رو سے قاضی کے حضور حاضر ہونے کی اتفاقی شرط اُٹھ گئی، ان پر لازم ہے کہ قرآن وسنت سے یا کم از کم فقہ کی کتب معتمدہ سے اس صورت جدیدہ کا استثناء مبرہن کریں، دلیل لائیں تاکہ اس میں نظر کی جائے اور اگر اس پر کوئی دلیل نہیں رکھتے تو بتائیں کہ آپ حضرات نے ازروئے تقلید التزام مذہب معین کا عہد کیا یا نہیں؟ تقلید مذہب معین سے یہ عہد ضرور لگا بندھا ہے، اسکی رو سے کیا آپ پر لازم نہیں کہ قول راجح ہی پر عمل کریں اور اسی کو مذہب جانیں؟ ضرور لازم ہے، اسی لئے ماوشما کس گنتی میں، ناقلان مذہب نے فرمایا:

"أما نحن فعلينا اتباع ما رجّحوه وما صحّحوه كما لو أفتوا فى حياتهم" اور فرمایا: "الفتيا بالقول المرجوح جهل وخرق للاجماع" اسی کے تحت طحطاوی علی الدر میں فرمایا: "وھو باطل وحرام"۔ [ج۱،ص۵۰]

لہٰذا قول راجح سے عدول، عدول عن المذہب ہے جسکی اجازت صلاحیت ترجیح سے عاطل نرے مقلدین کو نہیں ہوسکتی جیسا کہ عبارات مندرجہ بالا سے ظاہر ہے۔ جب قول راجح سے عدول کے سلسلے میں علماء کی یہ کچھ تصریحیں ہیں تو ایسے مسئلے سے عدول کا کیا حال ہوگا جس کے خلاف کوئی قول مرجوح بھی منقول نہیں۔ ومن ادّعیٰ فعلیہ البیان۔

بہرحال یہ سوال ہے کہ استفاضے کی دوسری قسم کی راہ ائمہ ھدیٰ نے دکھائی یا محض ہویٰ نے یہ ہوا دکھائی۔

ازالۂ شبہات

اس مقام پر ضرورت وحاجت کا بھی سہارا نہیں لیا جاسکتا کہ اصل حکم سے عدول کے لئے حقیقۃً تعذر اور سچی حاجت صحیحہ شرعیہ مطلوب ہے جو یہاں مفقود ہے۔ کسی شہر سے دوسرے شہر میں شہادت شرعیہ کا حصول یا استفاضۂ مقبولۂ شرع کا تحقق نہ ہوسکے تو اس کا تعذر تعمیل اصل حکم کا تعذر کیونکر ٹھہرے گا اور کونسی حاجت اکمال عدت شہر سے مانع ہوگی۔ اور جب یہاں اصل حکم کہ تکمیل عدت شہر ہے پر عمل ممکن بلکہ لازم تو پھر کیا ضرورت کہ ٹیلیفون وغیرہ اسباب کو امور شرع میں دخیل کیا جائے اور خواہی نخواہی ٹیلیفون، موبائل، فیکس، ای میل وغیرہ کو برخلاف تصریحات فقہاء معتبر مانا جائے۔

اس سلسلہ میں فساد صوم اور فساد عقیدہ کو معرض حاجت میں ذکر کیا جاتا ہے صوم وعید کا حکم تحققِ رویت پر ہے تو جہاں شرعی طور پر تحققِ رویت نہ ہو ہرگز نہ روزہ صحیح ہوگا نہ عید کرنا حلال ہوگا بلکہ اس جگہ کے لوگوں پر مہینہ کی گنتی پوری کرنا لازم ہے اور روزِ شک کو خواہی نخواہی رمضان یا روزِ عید ٹھہرانا، روزہ رکھنا، عید کرنا حرام۔

اس مفسدہ کا ازالہ ٹیلیفون، فیکس وغیرہ اسباب غیر معتبرہ کو در بارۂ رویت معتبر ٹھہرا کر کیونکر متصور بلکہ یہ مفسدۂ فسادِ صوم اس صورت میں بھی موجود اور امر غیر شرعی کو شرعی جاننا خود فسادِ عقیدہ ہے تو اس صورت میں بھی فساد عقیدہ نقد وقت ہے اور ائمہ مذہب کی تصریحات کو بالائے طاق رکھنا ایک گونا غیر مقلدیت ہے اور اس سلسلہ میں مجھے معاف رکھا جائے اگر میں یہ کہوں کہ اس دروازے سے رفتہ رفتہ قیود مذہب سے کھلی آزادی اور تقلید سے بیگانگی کا کھلا اندیشہ ہے۔

اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے استفاضہ کی دو ہی صورتیں رقم فرمائیں، ایک وہ جو رحمتی کے حوالے سے گزری اور دوسری یہ ہے:

"اور ایک صورت یہ بھی متصور کہ دوسرے شہر سے جماعات کثیرہ آئیں اور سب بالاتفاق بیان کریں کہ وہاں ہمارے سامنے عام

لوگ اپنی آنکھ سے چاند دیکھنا بیان کرتے تھے جن کا بیان مورثِ یقینِ شرعی تھا ظاہراً اس تقدیر پر وہاں کسی ایسے حاکم شرع کا ہونا ضرور نہیں کہ رویت فی نفسہا حجت شرعیہ ہے لقولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صوموا لرویتہ وافطروا لرویتہ جب جماعتِ تواتر جماعتِ تواتر سے ان کی روایت کی ناقل ہے تو رویت بالیقین ثابت ہوگئی اور شہادت کی حاجت نہ رہی کہ اثبات احکام میں تواتر بھی قائم مقام شہادت بلکہ اس سے اقوی ہے''۔ [فتاویٰ رضویہ، ج ۴، ص ۵۵۳]

نیز اعلیٰ حضرت رقمطراز ہیں کہ:

''علماء تصریح فرماتے ہیں کہ آڑ سے جو آواز مسموع ہو اس پر احکام شرعیہ کی بنا نہیں ہوسکتی ہے کہ آواز آواز سے مشابہ ہوتی ہے۔ تبیین الحقائق امام زیلعی پھر فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے: لو سمع من وراء الحجاب لا یسعه أن یشهد لاحتمال أن یکون غیره اذ النغمة تشبه النغمة''

[فتاویٰ رضویہ، ج ۴، ص ۵۲۷]

سوال یہ ہے کہ جب استفاضہ متعدد ٹیلیفون اور متعدد فیکس وغیرہ سے موصول ہونے کی صورت میں متصور تھا تو اعلیٰ حضرت نے استفاضہ کے بیان میں یہ صورت کیوں نہ لکھی؟ اور جب ٹیلیفون کی خبر کو غیر معتبر ٹھہرایا تو متعدد فونوں کے موصول ہونے کا استثناء فرما کر اسے استفاضہ کیوں نہ قرار دیا۔

یاد رہے اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''استفاضہ یعنی جس اسلامی شہر میں حاکم شرع قاضی اسلام ہو کہ احکام ہلال اسی کے یہاں سے صادر ہوتے ہیں اور وہ خود عالم

اور ان احکام میں علم پر عامل وقائم یا کسی عالم دین محقق ومعتمد پر اعتماد کا ملتزم وملازم ہے، یا جہاں قاضی شرع نہیں تو مفتی اسلام، مرجع عوام ومتبع الاحکام ہو کہ احکام روزہ وعیدین اسی کے فتویٰ سے نفاذ پاتے ہیں، عوام کالانعام بطور خود عید و رمضان نہیں ٹھہرالیتے وہاں سے متعدد جماعتیں آئیں اور سب یک زبان اپنے علم سے خبر دیں کہ وہاں فلاں دن بربنائے رویت روزہ ہوا یا عید کی گئی'' [فتاویٰ رضویہ، ج ۴، ص ۵۵۲]

اقول: استفاضہ کی جو مندرجہ بالا پہلی صورت اعلیٰ حضرت نے ذکر فرمائی اور اس میں قاضی ومفتی میں جو قیدیں ملحوظ رکھیں ان کے پیش نظر استفاضۂ شرعیہ کی پہلی صورت پر بھی رویت ثابت نہ ہوگی بلکہ نظر بحال زمانہ اطمینان کافی مطلوب ہوگا خصوصاً جبکہ کسی خاص جگہ کے قاضی ومفتی کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ پابند احکام شرع نہیں۔ ٹیلیفونی استفاضہ کا دروازہ کھولنے کے بعد اب جو یہ کہا جاتا ہے کہ:

''خبر رسانی کے جدید ذرائع مثلاً ٹیلیفون، موبائل، فیکس، ای میل سے استفاضہ کا تحقق ہوسکتا ہے مگر شرط یہ ہے کہ ان ذرائع کو ممکن حد تک ناخدا ترسوں کے دھوکہ، فریب اور جھوٹ کے اندیشہ سے محفوظ رکھا جائے ورنہ ان کے ذریعہ موصول ہونے والی خبروں کی حیثیت بازاری افواہ کی ہوگی نہ کہ استفاضہ کی''۔

جدید ذرائع ابلاغ سے استفاضہ کے تحقق پر چند سؤالات

اقول: اس پر اولاً: یہ معروض ہے کہ یہ مقالہ نگار کا اپنا خیال ہے جو نہ صرف فتاویٰ رضویہ بلکہ دیگر کتب مذہب جن کی عبارتیں فتاویٰ رضویہ میں منقول ہوئیں اور بشمول فتاویٰ رضویہ یہ سب کتابیں مقالہ نگار کی معتمد ہیں ان سب سے صرف نظر کیوں کر روا؟ اور ان تمام معتمدات کی مخالفت کیسے درست؟ اور

یہ کہاں سے نکلا کہ تحقق ہوسکتا ہے؟

ثانیاً: اس عبارت میں مقالہ نگار نے ان ذرائع ابلاغ میں اندیشہ کو مانا جب تو یہ لکھا کہ ان ذرائع کو ممکن حد تک ناخدا ترسوں کے دھوکہ، فریب اور جھوٹ کے اندیشہ سے محفوظ رکھا جائے ورنہ ان کے ذریعہ موصول خبروں کی حیثیت بازاری افواہ کی ہوگی نہ کہ استفاضہ کی۔ اچھا ہوتا کہ پہلے وہ سارے اندیشے دفع فرمادیتے اور ان ذرائع کا محفوظ ہونا ثابت وآشکار کردیتے پھر اس پر سب سے اتفاق کروالیتے اور جب یہ مسئلہ اجماعی ہوجاتا تو اس پر مناط اجماع منطبق کرتے۔

ثالثاً: ان ذرائع کو محفوظ بنانے کی یہ تجویز کہ جو لوگ ٹیلیفون، موبائل فون، فیکس یا ای میل کے ذریعہ چاند ہونے کی خبر دیں انہیں قاضی شریعت یا اس کے سامنے اس کا معتمد فون کرکے یہ تصدیق حاصل کرلے کہ فون، فیکس، موبائل، ای میل کے ذریعہ انہوں نے ہی اطلاع دی ہے۔ اس پر معروض ہے کہ یہ تدبیر کیونکر کارگر ہوگی؟ جو اندیشہ پہلے تھا وہ اب بھی ہے محض معتمد کے گفتگو کرلینے سے اندیشہ کا ازالہ کیونکر ہوگیا؟ نیز فیکس، ای میل وغیرہ کی خبروں کو بوجہ کثرت بمنزلۂ استفاضہ ماننا صراحۃً اعلیٰ حضرت کے ارشاد کے خلاف ہے چنانچہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

''مگر یہ کہنا ہرگز صحیح نہیں کہ خبر، تار یا خط بدرجۂ کثرت پہنچ جائے تو اس پر عمل ہوسکتا ہے اسے استفاضہ میں داخل سمجھنا صریح غلط''

[فتاویٰ رضویہ، ج ۴، ص ۵۵۸]

رابعاً: اگر تسلیم کرلیا جائے کہ ایک گونہ اعتماد ہوگیا اور کسی حد تک ازالہ ہوگیا پھر بھی استفاضہ کا تحقق نامتصور بلکہ صاف ظاہر کہ جس کو استفاضہ سمجھا جارہا ہے اس کا منتہیٰ اور مدار ایک پر ہے تو یہ استفاضہ ہوگا یا خبر واحد وہ بھی غیر متصل۔ ممکن ہے کہ بعض اذہان میں یہ بات ابھرے کہ ہمیں تو یقین ہوگیا اس کا جواب اعلیٰ حضرت سے سنتے چلئے: ''اور یہ زعم کہ ہم کو تو یقین ہوگیا صحیح نہیں، یقین وہ ہے جو حجت شرعیہ سے ناشی ہو،

یوں تو ایک جماعت ثقات عدول کی وقعت ان چند مجہولوں یا ساقطوں یا تار وخطوط کی اوہام وضبوط سے کیا کم تھی، انصاف کیجئے تو بدرجہا زائد تھے پھر کیوں علمائے دین نے اسکی بے اعتنائی کی تصریح فرمائی۔

خامساً: ثقہ علماء، قاضی اور شہر کے دوتین صالحین کو فون کرکے جو تصدیق حاصل کی جائیگی اس میں بھی وہی احتمال واندیشہ رہے گا، کہ آواز آواز کے مشابہ ہوتی ہے، اور مقام مقام احتیاط ہے جس میں نادر شبہ کا بھی اعتبار ہے، خود مقالہ نگار نے جابجا اندیشوں کا ذکر کیا اور نادر وغیر نادر کی کوئی تفصیل نہ کی، پھر فون پر اس امر کی تصدیق کیسے ہوسکے گی کہ اس نے اپنی آنکھوں سے چاند دیکھا، یہ امر باب شہادات سے ہے اس میں محض خبر وہ بھی سیکڑوں پردوں کے پیچھے سے کیوں کر مسموع ہوگی، پھر بات وہی ہے کہ اس صورت میں منتہیٰ ایک، تو استفاضہ کیسے ہوگا؟ اور بذریعہ ای میل قاضی کی اصل تحریر پہنچنا کیسے متصور؟ یہی حال فیکس کا بھی ہے پھر ای میل میں اس نادر شبہہ کا لحاظ کیا کہ سرور (کمپیوٹر کی ایک مشین کا مالک) جعل سازی کرسکتا ہے، یہ بات اس دعویٰ میں ہماری مؤید ہے کہ مقام احتیاط میں نادر کا اعتبار ہوتا ہے، پھر اسکی تصدیق کے لئے وہی مشتبہ ذریعہ بتایا کہ جس قاضی نے اسے وصول کیا وہ ٹیلیفون یا موبائل کے ذریعہ پیغام رساں وغیرہ سے تصدیق حاصل کرے۔ اور انجانوں کے بارے میں تصدیق کیسے ہوگی کہ وہابی، دیوبندی نہیں، اور بیانات کی چھان بین اور فریب کا ازالہ کیسے ہوگا؟

یہاں سے ظاہر کہ مذکورہ طریقے اور اس کے علاوہ دوسرے طریقے جن میں مدار ٹیلیفون، موبائل، ای میل، فیکس پر ہے وہ خود مستقل طور پر قابل اعتبار نہیں بلکہ محتاج تصدیق ہیں، اور ان کی تصدیق ٹیلیفون، موبائل، ای میل، فیکس سے نہیں ہوسکتی کہ اندیشے سے خالی نہیں، اور مشتبہ مشتبہ کا مصدق نہیں ہوسکتا، اور فیکس، ای میل اگرچہ دس، گیارہ ہوجائیں، یوں ہی فون اگرچہ متعدد ہوں بمنزلۂ استفاضہ نہیں ہوسکتے۔

فقہاء نے دربارۂ خط نادر شبہہ کا اعتبار فرما کر اسے احکام میں نامعتبر ٹھہرایا اور علت اشتباہ ابتدائے کلام میں اس کی ندرت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ بتائی ''ان الکتاب قد یفتعل ویزوّر والخطّ یشبہ الخط والخاتم یشبہ الخاتم'' یعنی کبھی جھوٹا نامہ بنالیا جاتا ہے اور ایک تحریر دوسری تحریر کے مشابہ ہوتی ہے، اور ایک مہر دوسری مہر کی طرح ہوتی ہے۔ اس کے باوجود ''کتاب القاضی الی القاضی'' کو برخلاف قیاس باجماع صحابہ وتابعین طرق موجبہ سے شمار کیا اور اس کے لئے وہی منجملہ شروط شہادت شرعیہ کی شرط رکھی اور اس کے برخلاف رسول قاضی بلکہ خود قاضی کے بیان کا اعتبار نہ کیا کہ اجماع تو برخلاف قیاس کتاب القاضی پر ہوا ہے، اور جو خلاف قیاس ثابت ہو وہ اپنے مورد پر مقتصر رہتا ہے، بھلا رسول قاضی ان اخبارِ پس پردہ سے بدرجہا بہتر تھا اور حاجت بھی درپیش پھر مناط اجماع کو ان لوگوں نے اس پر منطبق کیوں نہ فرمایا؟

اور جب ان ذرائع میں یہ کچھ اندیشے ہیں اور یہ بذات خود کافی نہیں اور ان کے ذریعہ تصدیق بھی مشتبہ تو ان جدید ذرائع سے موصول ہونے والی خبروں میں شبہہ کیوں نہیں ہونا چاہئے۔ خصوصاً عید کے سلسلے میں بصورت استفاضہ بھی اندیشہ مانا تو ان اخبار پس پردہ کا بمنزلۂ استفاضہ ہونا یوں بھی ممنوع اور ان میں اشتباہ واندیشہ خود کو مسلم تو سبیل اطلاقِ منع اور اندیشوں اور مفسدوں کا دروازہ بالکل بند کرنا ہے نہ یہ کہ دوراز کار ایسی شرطیں لگائی جائیں اور بزعم خود راہ جواز نکالی جائے جن کی پابندی بے راہ رؤوں سے نہ ہو سکے اور وہ قیدوں سے آزاد ہو کر رخصت پرکار بند ہوں اور مفتی کے حکم کو بہانا بنائیں شرع کا قاعدہ ہے ''درء المفاسد اہمّ من جلب المصالح''

وہابیوں کے جذبۂ مسابقت کا ذکر تو کیا مگر شدہ شدہ یہ بلا بہت سے سنی عوام میں بھی سرایت کر چکی ہے وہ بھی سعودیہ بلکہ لکھنؤ، دہلی میں چاند ہو جانا اور ریڈیو سے اس کا اعلان سن لینا اپنے زعم میں بڑا ثبوت سمجھتے ہیں، تو متہم، تو ایسے بہت سارے سنی بھی ہیں

کہ ان کی بھی دوبدو کی خبر قابل تحقیق ہے تو ٹیلیفون، فیکس وغیرہ مشتبہ ذرائع سے موصول ہونے والی خبریں معتبر نہیں ہو سکتیں اگرچہ خبر دینے والے سنی ہوں۔ ہاں ٹیلیفون وغیرہ پر کسی طرح اعتبار کا انجام تصریحات ائمہ مذہب کو بالائے طاق رکھنا اور قیود مذہب سے آزادی میں دوسروں کے ساتھ مشارکت اور عوام کو آزاد کرنا ضرور ہوگا۔

صاحب مکتوب ٹیلیفونی استفاضہ کی دو شکلیں بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''ایک شکل ہے دور والے سے خود بذریعۂ ٹیلیفون خبر لینا اور دوسری شکل ہے دور والے کا خود بذریعۂ ٹیلیفون خبر دینا، ان دونوں شکلوں میں فرق ظاہر ہے، پہلی شکل میں ہم اپنے جانے پہچانے لوگوں سے رابطہ پیدا کر کے ان سے خبر لیتے ہیں، اس لئے اسمیں ہمیں دھوکہ نہیں دیا جا سکتا۔ اس کے برعکس دوسری شکل میں خبر دینے والوں سے ہم خود بے خبر ہوتے ہیں تو اس میں دھوکہ کا امکان ہے کہ خبر دینے والے اپنے ہم مسلک ہیں بھی کہ نہیں، نیز خبر مستفیض کے لئے جتنی تعداد مطلوب ہے، اتنے ہی افراد خبر دے رہے ہیں یا چند لوگ ہیں جو آواز بدل بدل کر کثیر بنے ہوئے ہیں''۔

صاحب مکتوب نے یہ کہہ کر ''آواز بدل بدل کر کثیر بنے ہوئے ہیں'' دوسری صورت میں تو احتمال شبہہ مانا، جبکہ پہلی صورت یعنی جانے پہچانے اور معتمد لوگوں سے معلوم کرنے کی صورت میں بھی یہ شبہہ موجود ہے کہ آواز آواز کے مشابہ ہوتی ہے، تو ایک آواز دوسری آواز سے متبدل ہو سکتی ہے اگرچہ دانستہ معتمدین نہ بدلیں اس لئے جیسا شبہہ وہاں ہے ویسا ہی یہاں ہے تو ایک جگہ اس کا اعتبار اور دوسری جگہ اس کو نظر انداز کرنا کیا معنیٰ؟

اس مقام پر یہ سوال بھی حل طلب ہے کہ پہلی شکل میں جن جانے پہچانے لوگوں

سے بذریعۂ فون خبر حاصل کر کے استفاضہ پیدا کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے ان جانے پہچانے لوگوں کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ صاحب مکتوب انکی حیثیت متعین کریں۔

مدعی تو نہیں جیسا کہ ظاہر ہے، پھر کیا شہود ہیں یعنی اپنی رویت پر گواہ اور اس رو سے ان کی خبر ضرور مثل شہادت ہے اور ہر شہادت میں شہود کا قاضی کے یہاں حاضر ہونا لازم، یہاں پھر وہی سوال عود کرتا ہے کہ اس صورت کا استثناء کس دلیل سے ہے؟ یا مزّکّی ہیں یعنی شاہدانِ دیگر کی تعدیل و توثیق کا کام انجام دیتے ہیں تو اس صورت میں بھی وہ مرتبۂ شہود میں ہیں لہٰذا ان کا جملہ شروط کی طرح قاضی کے یہاں حاضر ہونا لازم، یہ کس دلیل سے مستثنٰی ہوئے کہ وہیں بیٹھے بیٹھے تعدیل کی شہادت دیں۔

اتنی بات تو ظاہر ہے کہ استفاضۂ مزعومہ جسکی نشاندہی صاحب مکتوب نے کی اس میں یکبارگی جماعت موجود نہیں ہوتی بلکہ افراد متعاقبہ اور آحاد مترتبہ جو یکے بعد دیگرے خبر دیتے ہیں ان سے ذہن میں جماعت کا تصور ابھرتا ہے، ذہن میں موجود ہونے والی یہ جماعت آپ کے طور پر قاضی کے نزدیک حکم حضور سے مستثنٰی سہی، کیا اس جماعت کے متقدم ارکان اور پہلے رونما ہونے والے آحاد و افراد بھی حضوری کے حکم سے مستثنٰی ہیں؟ آپ کی تقریر کی رو سے ان کا مستثنٰی ہونا بھی ضروری ہے جیسا کہ ظاہر ہے، یہ کیسی موہوم جماعت استفاضہ نکلی جسکے آحاد و افراد موجود فی الخارج بھی عام شہود سے الگ قاضی کے یہاں حاضری سے بے نیاز ٹھہرے۔

مکتوب میں بڑے زوردار الفاظ میں خبر مستفیض کی بنا پر تمہیدی کلمات کے بعد یہ کہا:

> ”کسی خبر کے خبر ہونے کے لئے یہ بھی ضروری نہیں کہ مخبر جہاں خبر پہنچائے وہاں حاضر بھی ہو، وہ آ کر سامنے خبر دے جب بھی خبر ہے اور دور سے خبر دے جب بھی خبر ہے“۔

اس اخیر فقرے کہ ”سامنے خبر دے جب بھی خبر

ہے اور دور سے خبر دے جب بھی خبر ہے“ سے متعلق یہ عرض ہے کہ ہندیہ کا یہ جزئیہ ملاحظہ کریں جو یوں ہے:

> ”ان کان بالسماء علة فشهادة الواحد علیٰ هلال رمضان مقبولة اذا کان عدلا مسلما عاقلا بالغا حرا کان او عبدا، ذکرا کان او انثیٰ، وکذا شهادة الواحد علیٰ شهادة الواحد و شهادة المحدود فی القذف بعد التوبة فی ظاهر الروایة هٰکذا فی فتاویٰ قاضی خان واما مستور الحال فالظاهر انه لا تقبل شهادته، وروی الحسن عن ابی حنیفة رحمه الله تعالیٰ انه تقبل شهادته وهو الصحیح کذا فی المحیط وبه اخذ الحلوانی کذا فی شرح النقایة للشیخ ابی المکارم و تقبل شهادة عبد علیٰ شهادة عبد فی هلال رمضان، وکذا المرأة علیٰ المرأة ولا تقبل شهادة المراهق ولا یشترط فی هٰذه الشهادة لفظ الشهادة ولا الدعویٰ ولا حکم الحاکم حتیٰ انهٗ لو شهد عند الحاکم وسمع رجل شهادته عند الحاکم وظاهره العدالة وجب علیٰ السامع ان یصوم ولا یحتاج الیٰ حکم الحاکم“ [ج ۱، ص ۱۹۷]

خبر کو شہادت سے تعبیر کرنے کی حکمت

یہاں چند باتیں مکتوب کی مؤید ہیں: ہلال رمضان میں ایک مرد عادل خواہ مستور الحال مسلم عاقل بالغ کی شہادت مقبول ہے خواہ آزاد ہو یا غلام، اسی طرح ایک عورت کی شہادت مقبول ہے اسی طرح ایک کی شہادت دوسرے کی شہادت پر، اور ظاہر الروایہ میں توبہ کے بعد اس کی شہادت بھی مقبول جس پر حد قذف قائم ہوئی، اسی طرح

غلام کی شہادت غلام کی شہادت پر اور عورت کی شہادت عورت کی شہادت پر مقبول ہے اس لئے کہ یہ خبر ہے لہٰذا اس میں لفظ ''أشھد'' کی شرط نہیں، نہ دعوے کی شرط ہے، نہ حکمِ حاکم کی شرط ہے۔ الخ

اب سوال یہ ہے کہ اس جگہ خبر کو بارہا متعدد جگہوں پر شہادت سے تعبیر کیا اس پر شہادت کا اطلاق کس قبیل سے ہے حقیقت ہے یا مجاز؟ مجاز ہے تو علاقۂ مجاز کیا ہے؟ اب ذرا اخیر فقرہ ''سامنے خبر دے جب بھی خبر ہے اور دور سے خبر دے جب بھی خبر ہے'' کو پیش نظر رکھ کے یہ بتایا جائے کہ کیا کسی کو یہ پہونچتا ہے کہ ہلال رمضان کی خبر گھر بیٹھے قاضی کو دے دے اور مجلس قضاء میں حاضر نہ ہو کہ آخر یہ خبر ہے ''سامنے خبر دے جب بھی خبر ہے اور دور سے خبر دے جب بھی خبر ہے''۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

جواب اگر اثبات میں ہے تو بالدلیل بتایا جائے، نیز بتایا جائے کہ مخبر واحد میں جو شرطیں ذکر کی گئیں کہ عادل مسلم عاقل بالغ ہو، ان شرطوں کی تحقیق کیسے ہوگی اور اگر محدود فی القذف ہے تو اس کی توبہ کا ثبوت بھی درکار ہے وہ یوں ہی کیسے حاصل ہوگا اور اگر جواب نفی میں ہے یعنی گھر بیٹھے اس کی خبر نہ سنی جائے گی تو کیا اس سے ثابت نہیں ہوتا کہ یہ خبر مجرد خبر نہیں ہے بلکہ اسمیں رنگِ شہادت ہے اسی لئے مجازاً اس پر شہادت کا اطلاق ہوا کہ جس طرح قاضی کے یہاں ادا ہوتی ہے یہ خبر بھی قاضی کے سامنے مخبر کو دینا لازم، اسی لئے یہ فرمایا:

''حتیٰ انہ لو شھد عند الحاکم وسمع رجل شھادتہ عند الحاکم وظاہرہ العدالۃ وجب علی السامع أن یصوم ولا یحتاج الی حکم الحاکم''

کیا یہاں سے نہ کھلا کہ اس خبر پر مادۂ شہادت اور اس کے مشتقات کا اطلاق مجازاً یوں ہی بے فائدہ نہیں ہے بلکہ اس افادے کے لئے ہے کہ یہ خبر رنگ شہادت رکھتی

ہے لہٰذا جہاں ''خبر'' یا ''یخبر'' کلام فقہا میں واقع ہوا فقہائے دیگر کے کلام میں شہادت ''شھد'' وغیرہ اس خبر کی تفسیر ہیں، یہی وجہ ہے کہ استفاضۂ خبر کی اس صورت کو ہندیہ میں یوں تعبیر کیا:

''وان لم یکن بالسماء علۃ لم تقبل الا شھادۃ جمع کثیر یقع العلم بخبرھم وھو مفوض الی رأی الامام من غیر تقدیر ھو الصحیح کذا فی الاختیار شرح المختار وسواء فی ذالک رمضان و شوال و ذو الحجۃ کذا فی السراج الوھاج، وذکر الطحاوی أنہ تقبل شھادۃ الواحد اذا جاء من خارج المصر وکذا اذا کان علی مکان مرتفع (الی أن قال) لٰکن فی ظاہر الروایۃ لا فرق بین خارج المصر والمصر''

یہاں مجازاً جمع کثیر کی خبر کو شہادت کہا اور اسی ہندیہ میں دوسری جگہ شہادت کی جگہ مطلق قول کا اطلاق فرمایا، چنانچہ اسی میں ہے: ''وان کانت مصحیۃ لا یقبل الا قول الجماعۃ کما فی ھلال رمضان''۔

اب اس کے پیش نظر علامہ رحمتی کی عبارت دیکھئے جو یوں ہے: ''معنی الاستفاضۃ أن تأتی من تلک البلدۃ جماعات متعددون کل منھم یخبر عن اہل تلک البلدۃ أنھم صاموا عن رویۃ لا مجرد الشیوع۔ الخ''

کیا ''یخبر'' کی جگہ ''یشھد'' نہیں کہا جا سکتا؟ ضرور کہا جا سکتا ہے، اس سے کیا مانع ہے؟ مختلف عبارات فقہا کو ایک معنی پر رکھنے کا تقاضا یہی ہے کہ یہاں ''یخبر'' کو ''یشھد'' کا قائم مقام سمجھا جائے جس طرح ہندیہ میں ایک جگہ ''قول الجماعۃ''، ''شھادۃ جمع کثیر'' کے قائم مقام ہے کہ اس میں ابدائے وفاق اور رفع خلاف ہے، پھر یہاں علامہ رحمتی کی عبارت میں لفظ ''تأتی من تلک البلدۃ

جماعات‘‘ کیا اس پر قرینہ نہیں کہ یہاں ’’یخبر‘‘ بمعنی ’’یشھد‘‘ ہے۔ علامہ رحمتی کی عبارت میں کیا یہ دوسرا قرینہ ’’لا مجرد الشیوع‘‘ نظر انداز کرنے کے قابل ہے؟ اور جب یہ نظر انداز کرنے کے قابل نہیں تو کیا اس کا یہ معنی نہیں کہ مجرد استفاضہ وشہرت کافی نہیں بلکہ تحقق درکار ہے اور تحقق کے لئے مجلس حکم میں حاضری ضرور، اب ہندیہ اور رحمتی کی عبارت کا ایک ہی مفاد ہے وہ یہ کہ مخبرین حکم شاہدین میں ہیں لہٰذا علامہ رحمتی کی عبارت میں ’’یخبر‘‘ کے بجائے ’’یشھد‘‘ رکھا جائے تو عبارت یوں ہوگی:

’’معنی الاستفاضة ان تأتی من تلک البلدة جماعات
متعددون کل منهم یشهد علیٰ أهل تلک البلدة انهم
صاموا عن رویة۔الخ‘‘

اگر ایک جماعت قاضی کے یہاں بیان کرے کہ فلاں شہر والوں نے اس جگہ کے باشندوں سے ایک دن پہلے روزہ رکھا اور انہوں نے خود چاند نہ دیکھا ہو، نہ دیکھنے والوں کی شہادت پر شاہد ہوں، کیا قاضی ان کے بیان پر حکم کر دیگا کہ کل عید ہے اور آج رات کی تراویح چھوڑ دی جائیگی؟ ہرگز نہیں بلکہ ضروری ہے کہ یہ لوگ یک زبان اپنا دیکھنا بیان کریں یا دوسروں کی شہادت پر شاہد ہوں، ہندیہ میں ہے:

’’ثم انما یلزم الصوم علیٰ متأخری الرؤیة اذا ثبت عندهم
رویة اولئک بطریق موجب حتیٰ لو شهد جماعة ان اهل
بلدة قد رأوا هلال رمضان قبلكم بيوم فصاموا، وهٰذا
اليوم ثلاثون بحسابهم، ولم ير هٰؤلاء الهلال لا يباح
فطرغد، ولا يترك التراويح فى هٰذه الليلة، لأنهم لم
يشهدوا بالرؤية ولا علىٰ شهادة غيرهم وانما حكوا رؤية
غيرهم‘‘۔ [ج۱،ص۱۹۹]

کیا اب بھی نہ کھلا کہ ہندیہ کی یہ عبارت علامہ رحمتی کی عبارت میں ’’یخبر‘‘ کا بیان ہے جسکی رو سے یہ متعین ہے کہ ’’یخبر‘‘ سے مجرد حکایت اور محض رویت کی خبر مراد نہیں بلکہ اس شہر والوں کی شہادت پر شہادت مراد ہے، لہٰذا تصحیح کلام و رفع تناقض کے اقتضا کے بموجب ’’یخبر‘‘ کلام رحمتی میں ضرور بمعنی ’’یشھد‘‘ ہے۔ یہاں سے اس کا جواب ہوگیا کہ ’’خبر مستفیض کی جو تشریح علامہ رحمتی قدس سرہٗ نے کی ہے اپنے عہد کے لحاظ سے کی ہے‘‘۔ اور جب اس خبر میں رنگ شہادت ہے اور شہادت میں ہر زمانے کا دستور جواب تک چلا آرہا ہے کہ شہادت مجلس قاضی میں ادا ہوتی ہے تو علامہ رحمتی کی تعریفِ استفاضہ محض اپنے زمانے کے لحاظ سے نہیں ہر زمانے کے لحاظ سے ہے۔

ٹیلیفون کی خبر کو بالائے طاق رکھئے ہندیہ کا جزئیہ ’’حتیٰ لو شهد جماعة-الخ‘‘ پھر یاد کیجئے، کیا اس کا صریح مفاد یہ نہیں کہ امور شرعیہ میں ٹیلیفون کی خبر تو کیا قاضی کے یہاں ایسی شہادت بھی نامعتبر، جس میں شہود نے نہ اپنی رویت پر شہادت دی نہ دوسروں کی شہادت پر شہادت دی، کیا اس کا صریح مفاد یہ نہیں کہ صورت استفاضہ میں بھی یہ لازم ہے کہ مخبرین قاضی کے یہاں اپنی رویت کی شہادت دیں۔ (۱) یا دوسروں کی شہادت پر شاہد ہوں کیا ایسی خبر رنگ شہادت سے جدا ہوسکتی ہے؟ اور جب رنگ شہادت سے جدا نہیں ہوسکتی تو کیا کسی زمانے میں بھی دستور شہادت بدلا جاسکتا ہے؟ نہیں، تو اعلیٰ حضرت کے زمانے اور اس زمانے کا فرق کیا معنی؟ اور اس تفرقہ پر بنا کیا مفید؟ اور اس تفرقہ کے لئے کونسی ضرورت داعی؟ (۱) اب جیسے رمضان میں خبر واحد کی ادائیگی میں لفظ ’’أشهد‘‘ کہنا شرط نہیں مگر پھر بھی ایک نکتے کے لحاظ سے خبر واحد کو مجازاً شہادت سے تعبیر کیا اسی طرح خبر مستفیض میں بدرجہ اولیٰ لفظ ’’أشهد‘‘ شرط نہیں مگر اسی نکتے کے لحاظ سے یہاں بھی ’’حتیٰ لو شهد‘‘ کہا وہ نکتہ کیا ہے یہی کہ مخبر کو ادائے خبر کے لئے شہود عند القاضی سے مفر نہیں تو یہ خبر کیا بالکلیہ

شہادت سے جدا ہے یا رنگ شہادت لئے ہوئے ہے اور خبر مستفیض میں بھی استفاضہ کیا یونہی ہو جائے گا ہرگز نہیں بلکہ ضروری ہے کہ مخبرین اپنی رویت کی بیک زبان خبر دیں یا اس شہر والوں کی رویت پر شہادت ادا کریں تاکہ یہ خبر مجرد حکایت نہ ٹھہرے اس پر عالمگیری کے جزئیہ کا اخیر فقرہ ''لأنھم لم یشھدوا بالرؤیۃ ولا علیٰ شھادۃ غیرھم وانما حکوا رؤیۃ غیرھم'' کیا یہ شہادت نہیں دے رہا ہے کہ مجرد خبر معتبر نہیں بلکہ وہ خبر معتبر ہے جسے شہادت سے تعبیر کرسکیں کیا محل خبر میں شہادت بولنا بے محل و بے فائدہ ہے پھر بمناسبتِ مقام یہاں ایک سوال فائدے سے خالی نہیں اگرچہ اس میں کسی قدر گزشتہ کی تکرار ہے۔ سوال یہ ہے کہ عالمگیری کے جزئیے میں ''لو شھد جماعۃ أن اھل بلدۃ قد رأو ھلال رمضان قبلکم بیوم-الخ'' آپ کی تقریر کی روشنی میں قطعاً خبر مستفیض ہے کہ چند افراد کی خبر ہے۔ پھر کیوں فرمایا ''لا یباح فطر غد-الخ'' حالانکہ اس جگہ خبر مستفیض بلفظ ''شھد'' ادا ہوئی، اب وہی سوال لوٹ کے آیا کہ خبر مستفیض میں بھی استفاضہ کیا یوں ہی ہو جائیگا؟ کیا اس سے نہ کھلا کہ استفاضے سے مراد مجرد استفاضہ و اشتہار نہیں بلکہ استفاضۂ شرعیہ مراد ہے جس کی رو سے خبر میں شہادت کی طرح معنی الزام ہو جہاں ''أخبر'' کی جگہ ''شھد'' بولنا صحیح ہو اس جگہ جماعت مخبرین کی بہ نسبت ''شھد'' کہا گیا، پھر کیوں ان کی خبر پر عید کرنا حلال نہ ہوا اسی لئے نا کہ یہاں خبر مجرد خبر ہے محض حکایت ہے، چنانچہ کہا ''لأنھم لم یشھدوا بالرؤیۃ ولا علی شھادۃ غیرھم وانما حکوا رؤیۃ غیرھم'' اور حکایت میں معنی الزام نہیں، لہٰذا ایسی خبر منجملہ طرق موجبہ نہیں، اگرچہ بلفظ شہادت ادا کی جائے پھر سوال ہے کہ مخبرین اگر بیک زبان خود اپنی آنکھ سے چاند دیکھنا بیان کریں مانا جائے گا اور لفظ ''اشھد'' کہنا شرط نہ ہوگا لیکن ذرا محل تاویل میں ''ولم یشھدوا علیٰ شھادۃ غیرھم'' کے تیور دیکھ کے بتایئے کہ اگر مخبرین اس شہر والوں کی شہادت پر شہادت نہ دیں بلکہ یوں بیان کریں کہ فلاں شہر والوں نے چاند دیکھا ہے اس پر جملۂ سابقہ ''لو

شھد جماعۃ ان اھل بلدۃ قد رأوا ھلال رمضان قبلکم بیوم'' صادق ہے جس پر یہ فرمایا ''لا یباح فطر غد'' یہ دوسری صورت بھی خبر مستفیض کی ہے، جزئیہ دیکھ کر بتایا جائے کیا یہاں جماعت کثیرہ کا مطلق بیان کافی ہے یا ان کی شہادت سے کام چل جائے گا یا شہادت علی الشہادت کی شرط ہے؟ کیا اب بھی نہ کھلا کہ استفاضۂ شرعیہ بالکلیہ شہادت سے جدا نہیں، ھٰکذا ینبغی ان تفھم کلماتھم واللّٰہ الموفق یفھم من یشاء۔

ایک دوسرے کے سامنے ہونے کا مطلب

3G موبائل میں تصویر کشی کے ذریعہ ایک دوسرے کی جعلی تصویر دیکھنا ممکن ہے نہ کہ ایک دوسرے کا دوبدو سامنے ہونا جس طرح آئینے کے سامنے دیکھنے والا ہوتا ہے، پھر کیا بر تقدیر تسلیم اس صورت میں شہود کو حاکم کے یہاں حاضری سے مستثنیٰ قرار دیا جائے گا صرف اتنا کافی ہوگا کہ اسکرین پر وہ گواہ کا فوٹو دیکھ لے؟ اور جب صورت استفاضہ میں بھی یہ خبر رنگ شہادت سے جدا نہیں، اسی لئے اس صورت استفاضہ کو جابجا مادّۂ شہادت اور اس کے مشتقات سے تعبیر کیا، اسی لئے علامہ رحمتی نے اس کی تعریف میں یہ فرمایا کہ ''ان تأتی من تلک البلدۃ جماعات متعددون-الخ'' تو اس پر اختلاف زمان و تبدیل عہد کی بنا کس کو مسلّم ہو سکتی ہے؟ اور دستور شہادت جو آج تک غیر مذہبی کچہریوں میں بھی چلا آرہا ہے کا بدلا جانا کس کو منظور ہوگا؟ امور شرعیہ میں یہ کیسے سنا جا سکتا ہے:

> ''لہٰذا ٹیلیفون اور موبائل پر اتنے لوگ خبر دیں جن پر جماعات متعددہ اور گروہ در گروہ صادق آئے اور قاضی کو ظن غالب ملحق بالیقین ہو جائے تو اس استفاضہ کا تحقق ہو جائے گا جو شرعاً حجت ہے''۔

یہ استفاضۂ محدثہ وہ استفاضۂ فقہیہ حدیثیہ نہیں جس پر آپ حضرات کو بھی اب تک اتفاق تھا۔

پیش نظر ایک فتوے میں یہ عبارت درج ہے:

''مقامی طور پر مطلع ابر آلود ہو تو قرب و جوار کے مقامات میں جہاں تک مطلع ایک ہو وہاں ایک جم غفیر نے چاند دیکھا ہو یا مختلف مقامات پر کثیر مجمع اور یہ خبر حد تواتر کو پہنچ چکی ہو یعنی اس کی خبر اس قدر عام ہو جائے کہ اس کا کذب محال ہو تو اس کو فقہ کی اصطلاح میں خبر مستفیض کہتے ہیں''

سیمینار میں یہ فتویٰ تو شامل کرلیا، فتوے کی یہ عبارت دیکھ کر بتایا جائے کہ کیا نو موبائل کی خبر خبر متواتر ہو سکتی ہے؟ نیز فتوے میں کہا:

''یا مطلع دیگر مقامات پر بھی ابر آلود ہونے کی صورت میں شرعی شہادت کی تکمیل کے بعد کسی ثقہ اور معتبر آدمی نے ٹیلیفون پر اطلاع دی ہو دراں حالیکہ اس کی آواز پہچانی جاتی ہو تو اس کی صحت و تصدیق کے بعد ایسی اطلاع کو قبول کرنے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں''۔

اس دعوے پر البحر الرائق کا جزئیہ پیش کیا، ظاہر ہے کہ یہ صورت صاحب بحر الرائق کے زمانے میں نہ تھی کہ دور دراز سے گھر بیٹھے آدمی خبر دے دے اور اس کی خبر کا تحقق ہو جائے یہ صورت مستحدثہ ہے خاص اس صورت کا جزئیہ فتویٰ میں پیش نہ کیا اور مطلق تحقیق کو اس پر منطبق کر دیا حالانکہ تحقیق کا یہ دستور نہ آج کا ہے، نہ کل یہ دستور تھا۔ فتوے کا اختتام اس عبارت پر ہوتا ہے:

''مقامی رویت ہلال کمیٹی مذکورہ بالا تمام امور کو پیش نظر رکھ کر اعلان کرے اور اس اعلان کی اطلاع ریڈیو، یا ٹی وی وغیرہ سے نشر کی جائے تو اس پر عمل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں''۔

کیا دور دراز مقامات میں بھی اس اعلان کا اعتبار ہوگا یا اس مقام کے قرب و

جوار میں وہ اعلان معتبر ہوگا؟

کتاب القاضی کی بحث اور اعلان رویت کے حدود

کتاب القاضی الی القاضی کے بارے میں سیدنا اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے مندرجہ ذیل تصریح فرمائی:

''کتاب القاضی الی القاضی'' یعنی قاضی شرع جسے سلطان اسلام نے فصل مقدمات کے لئے مقرر کیا ہو اس کے سامنے شرعی گواہی گزری اس نے دوسرے شہر کے قاضی شرع کے نام خط لکھا کہ میرے سامنے اس مضمون پر شہادت شرعیہ قائم ہوئی اور اس خط میں اپنا اور مکتوب الیہ کا نام ونشان پورا لکھا جس سے امتیاز کافی واقع ہو اور وہ خط دو گواہان عادل کے سپرد کیا کہ یہ میرا خط قاضی فلاں شہر کے نام ہے وہ باحتیاط اس قاضی کے پاس لائے اور شہادت ادا کی کہ آپ کے نام یہ خط فلاں قاضی شہر نے ہم کو دیا اور ہمیں گواہ کیا کہ یہ خط اس کا ہے اب یہ قاضی اگر اس شہادت کو اپنے مذہب کے مطابق ثبوت کے لئے کافی سمجھے تو اس پر عمل کر سکتا ہے (اور بہتر یہ ہے کہ قاضی کاتب خط لکھ کر ان گواہوں کو سنا دے اس کا مضمون بتا دے اور خط بند کر کے اس کے سامنے سر بمہر کر دے اور اولیٰ یہ کہ اس کا مضمون ایک کھلے ہوئے پرچے پر الگ لکھ کر بھی ان شہود کو دے دے کہ اسے یاد کرتے رہیں یہ آ کر بھی گواہی دیں کہ خط میں یہ لکھا ہے اور سر بمہر خط اس قاضی کو حوالہ کریں یہ زیادہ احتیاط کے لئے ہے ورنہ خیر اسی قدر کافی ہے کہ دو مردوں یا ایک مرد دو عورتیں عادل کو خط سپرد کر کے گواہ کر لے اور وہ باحتیاط یہاں لا کر شہادت دیں) بغیر اسکے اگر

خط ڈاک میں ڈال دیا یا اپنے آدمی کے ہاتھ بھیج دیا تو ہرگز مقبول نہیں اگرچہ وہ خط اسی قاضی کا معلوم ہوتا ہو اور اس پر اسکی اور اس کے محکمۂ قضاء کی مہر بھی لگی ہو۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۴ ص ۵۵۱/ ۵۵۲)

اعلیٰ حضرت کی تصریح سے صاف ظاہر ہے کہ کتاب القاضی الیٰ القاضی بالاستقلال حجت شرعیہ نہیں بلکہ شہادت شرعیہ سے مشروط ہے اسی لئے قاضی کا خط بذریعۂ ڈاک یا قاضی کے فرستادہ کے ہاتھ سے دوسرے قاضی کو پہونچے تو ہرگز مقبول نہیں، تو فیکس، ای میل وغیرہ بمنزلۂ کتاب القاضی الیٰ القاضی کیسے ہو جائیں گے؟ حالانکہ آپ ہی نے مانا کہ اس کے واجب العمل ہونے کے لئے وہی شرط درکار ہوگی۔ پھر شہادت شرعیہ کی شرط سرے سے کیوں اڑادی؟ اور امام ابو یوسف کا مفتی بہ قول چھوڑ کر ایک روایت غیر مقبولہ جو شافعیہ میں بھی ایک عالم کا منفرد قول ہے مناط اجماع کی فکر میں اختیار کرکے خرقِ اجماع کیوں کیا؟ رویت پر شہادت گزرنا بوجہ دوری متعذر رہی سہی لیکن یہ کب ضروری ہے کہ جس دن کسی جگہ چاند ہو جانے کی وجہ سے روزہ یا عید ہو اسی دن دوسری جگہ بھی ہو جائے اگرچہ نہ چاند دکھائی دے نہ رویت بطریق شرعی ثابت ہو، ہرگز یہ ضروری نہیں تو غیر ضروری کو ضروری فرض کر لینا اور اس حیلے سے مذہب معتمد سے عدول کون سا اصول ہے؟

کتاب القاضی بھی نقل شہادت میں شہادۃ علی الشہادۃ کے مشابہ ہے اس لئے اس کا حکم بھی یہی ہوگا یعنی ضروری ہوگا کہ قاضی کا مکتوب بعد تحقق شروط مطلوبہ گواہان عدول لے کر دوسرے قاضی کے پاس جائیں، ورنہ یہ نقل شہادت نہ ہوگی، یہ سب کچھ قول مفتی بہ پر ہے۔ اب اگر یہ بھی مختار ہے اور اصطخری شافعی وغیرہ کا قول مرجوح بھی، تو یہ صاف تلفیق کی صورت ہے اور جمع بین النقیضین ہے۔ ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اس جگہ اپنے فتوے کی نقل درج کریں جو ہم نے مفتی شمشاد احمد برکاتی نزیل لیڈی اسمتھ جنوبی افریقہ کے سوال پر ارقام کروایا۔

نقل سوال مع جواب درج ذیل ہے:

بخدمت اقدس، حضور تاج الشریعہ مفتی محمد اختر رضا خاں ازہری صاحب قبلہ جانشین حضور مفتی اعظم ہند......السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں کہ:

ساؤتھ افریقہ آٹھ صوبوں پر مشتمل خط استواء سے جنوب میں واقع ہے، اس کا طول البلد ۱۸/درجہ شرقی سے ۳۳/درجہ شرقی تک اور عرض البلد ۲۲/درجہ جنوب سے ۳۶/درجہ جنوبی تک وسیع وعریض ہے۔

اکثر سعودی عرب میں چاند کا اعلان ایک دن پہلے کبھی دو دن پہلے ہو جاتا ہے، مشرق وسطی کے ممالک بھی اسے قبول کر لیتے ہیں امریکہ، افریقہ و یورپ میں ان کے عقیدت مند بھی اسے فوراً مان لیتے ہیں۔ پھر ریڈیو، ٹی وی، انٹرنیٹ وغیرہ پر زوردار اعلان کر کے مسلمانوں کے نمائندہ بن جاتے ہیں، ملکی اخبارات ومیڈیا بھی ان کے اعلان کے مطابق عید وغیرہ کا اعلان کر دیتے ہیں جس کے سبب خوش عقیدہ سنی مسلمانوں کے لئے کئی دشواریاں پیش آتی ہیں اور یہ خود کئی حصوں میں بٹ جاتے ہیں۔

کچھ تو وہ ہیں جو وہابیوں کے اعلان پر دانستہ یا نادانستہ رمضان وعید کر لیتے ہیں دوسرے وہ لوگ ہیں جو ان کے اعلان پر عید نہیں کرتے، مگر دیوبندی جمعیۃ العلماء کے اعلان پر عید کر لیتے ہیں۔ تیسرے وہ سنی افراد ہیں جو صرف اپنے شہر کے علماء کے اعلان پر عید کرتے ہیں ان کی عید کبھی کبھی سعودیوں کی عید سے دو دن بعد اور ملک میں عام لوگوں کی عید سے ایک دن بعد ہوتی ہے۔ اہل سنت کے اس انتشار و تقسیم سے جماعتی سطح پر ہمارا بڑا نقصان ہوتا ہے۔

دوسری دشواری، سنی ملازمین وطلبہ کو چھٹی لینے میں

ہوتی ہے، کیوں کہ ملک کا میڈیا ایک دن پہلے عید کا اعلان کر چکا ہوتا ہے اس لئے وہ ان کی باتوں پر یقین نہیں کرتے یا یہ لوگ ان کو قاعدے سے سمجھا نہیں پاتے کہ ہماری عید ایک دن بعد کیوں ہے۔

تیسری دشواری ائمہ وعلما کو ہوتی ہے کہ ان کی عوام ان کی بات نہیں مانتی، بلکہ کبھی کبھی خود مساجد کی کمیٹیاں بھی ائمہ کی اطاعت نہیں کرتیں اور وہ از خود اپنی مسجد میں اعلان کر دیتی ہیں۔

چونکہ ہر سال یا اکثر رمضان، عید الفطر، عید الاضحیٰ کے موقع پر پورے ملک میں انتہائی سورش اور جھگڑا لڑائی ہو جایا کرتی ہے حتیٰ کہ عوام، علما کے قابو میں نہیں رہتی، روزہ الگ چھوڑتی اور توڑتی ہیں، عید کی نماز تک قبل از وقت پڑھ لیتی ہیں۔ عوام کے ایمان کی سلامتی کے لئے کیوں نہ پورے ملک کی رویت ہلال کمیٹی تشکیل دی جائے اور کم از کم اپنے اہل سنت متحد رہیں، وہابی اور دیوبندی کی اقتدا نہ کریں۔

اس صورت حال کے پیش نظر حسب ذیل سوالات دریافت طلب ہیں:

سوال نمبر (۱) پورے ملک کے اہل سنت کے علما کے اتفاق سے کسی ایک سنی عالم کو پورے ملک کا چیئرمین (حاکم) بنایا جائے اور اس سنی صحیح العقیدہ عالم دین کی تحقیق رویت ہلال کے بعد اس کے شرعی اعلان پر پورے ملک کے اہل سنت رمضان وعید وغیرہ کریں۔ تو سنی علما کے وفاق سے ایک سنی صحیح العقیدہ عالم دین کو پورے ملک کا چیئرمین بنانا اور اس کے اعلان شرعی پر پورے ملک کے مسلمانوں کا عمل کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟ زید کا کہنا ہے کہ پورے ملک کا ایک حاکم مقرر کرنا درست اور صحیح ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ عنہ فتاویٰ رضویہ میں حدیقہ ندیہ کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں: ''اذا خلا الزمان من سلطانٍ ذی کفایۃ فالامور مؤکلۃ الیٰ العلماء ویلزم الامۃ الرجوع الیہم ویصیرون ولاۃ فاذا عسر جمعھم علیٰ واحدٍ استقلّ کل قطر باتباع علمائہ فان کثروا فالمتّبع أعلمھم

فان استووا أقرع بینھم''۔ [ج ۴، ص ۵۴۹، مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئی]

ترجمہ: جب زمانہ ایسے سلطان سے خالی ہو جو معاملات شرعیہ میں کفایت کر سکے تو شرعی سب کام علما کے سپرد ہوں گے اور مسلمانوں پر لازم ہوگا کہ اپنے ہر معاملۂ شرعی میں ان کی طرف رجوع کریں وہ علما ہی قاضی وحاکم سمجھے جائیں گے۔ پھر اگر سب مسلمانوں کا ایک عالم پر اتفاق مشکل ہو تو ہر ضلع کے لوگ اپنے علما کا اتباع کریں اگر ضلع میں زیادہ عالم ہوں تو جو سب میں زیادہ احکام شریعت کا علم رکھتا ہو اس کی پیروی ہوگی اور اگر علم میں برابر ہوں تو ان میں قرعہ ڈالیں''۔

امام اہلسنت سے منقول اس جزئیہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر ملک کے تمام ضلع کے لوگ کسی ایک عالم پر متفق ہو جائیں تو مسلمانوں پر لازم ہوگا کہ اپنے ہر معاملۂ شرعیہ میں ان کی طرف رجوع کریں۔ وہی عالم، قاضی وحاکم اور سلطان اسلام سمجھا جائے گا اور شرعی سب کام اسی کے سپرد ہوں گے۔ اس سے پورے ملک کا ایک قاضی و حاکم بنانے کا جواز نکلتا ہے۔

اسی طرح پورے ملک کی مرکزی رویت ہلال کمیٹی بنانے کے جواز کے قائل حضرت مولانا مفتی وقار الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے بلکہ وہ ایک زمانہ میں پاکستان کی مرکزی رویت ہلال کمیٹی میں شامل بھی رہ چکے ہیں، وہ لکھتے ہیں کہ: ''مرکزی رویت ہلال کمیٹی شرعی طور پر شہادت لے کر جب اعلان کر دیگی تو وہ اعلان پورے ملک کے لئے ہوگا''۔ [وقار الفتاویٰ، ج ۲، کتاب الصوم، ص ۴۲۰]

سوال نمبر (۲) مرکزی رویت ہلال کمیٹی یا اس کا چیئرمین، ثبوت شرعی فراہم ہونے کے بعد پورے ملک میں ٹیلیفون، فیکس، انٹرنیٹ وغیرہ کے ذریعہ اعلان کرے تو اس کا یہ اعلان معتبر ہوگا یا نہیں؟ زید کا کہنا ہے کہ فقہا نے جو تصریح فرمائی کہ ٹیلیفون، خطوط، اخبار اور ریڈیو وغیرہ کے ذریعہ رویت ہلال کی خبریں غیر معتبر ہیں، بلاشبہ یہ حق ہے کیوں کہ وہ اپنے طور پر اس طرح کی خبریں شائع کرتے رہتے ہیں نہ وہ اعلان،

شرعی تحقیق کے بعد ہوتا ہے نہ حاکم شرع کے حکم سے، اس لئے ایسا اعلان معتبر نہیں، لیکن اگر وہ اعلان حاکم شرع کے حکم سے ہو تو اس کے احکام اس سے مختلف ہوں گے۔

کیا یہ بات مسلّم نہیں کہ قاضیٔ شرع کے حکم سے اعلان رویت کے لئے جو توپ داغی جاتی ہے، وہ معتبر ہے، لیکن سلطان اسلام یا قاضی شرع کے حکم کے بغیر کوئی شخص از خود انتیس ۲۹ر رمضان کو ہلال عید کے اعلان کے لئے توپ چھوڑ دے تو کیا اس کا اعتبار ہوگا؟ ہرگز نہیں، یا کوئی ایک شخص چاند دیکھ کر حاکم شرع کے فیصلے سے پہلے ہی یا اس کے حکم کے بغیر پورے شہر میں اعلان کرتا پھرے کہ کل عید ہے۔ ہرگز معتبر نہیں ہوگا۔ لیکن سلطان اسلام یا قاضی کے فیصلہ کے بعد اعلان کرے تو معتبر ہوگا۔

اسی طرح اگر کوئی شخص از خود پرچہ لکھ کر پورے شہر میں تقسیم کرے کہ کل عید ہے۔ معتبر نہیں، کیوں کہ خطوط سے رویت کا ثبوت نہیں ہوگا، لیکن اگر یہی خط یا پرچہ ثبوت شرعی کے بعد سلطان یا قاضی کے حکم سے لکھ کر شہر میں تقسیم کیا جائے تو معتبر ہے۔ سیدی اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ اپنے زمانہ میں جب رویت ثابت ہو جاتی تو خود پرچہ لکھ کر شہر میں تقسیم کراتے۔ [فتاویٰ رضویہ چہارم ص ۵۳۲]

اگر باب رویت میں خطوط کا مطلقاً اعتبار نہ ہوتا تو کیوں پرچے لکھ کر تقسیم کئے جاتے؟ کیوں کہ یہ شبہ وہاں بھی پایا جاتا ہے کہ وہ پرچہ سیدی اعلیٰ حضرت کی طرف سے نہ ہو، کسی اور نے ان کے نام سے لکھ کر تقسیم کیا ہو جیسا کہ فقہا نے تصریح فرمائی۔

الخط یشبہ الخط فلم یحصل العلم (الاشباہ والنظائر) خط خط کے مشابہ ہوتا ہے، لہٰذا اس سے علم حاصل نہ ہوگا، ظاہر ہے یہ خطوط قاضی کی قضا سے پہلے حکم قضا صادر کرنے کے سلسلے میں معتبر نہیں نہ کہ فیصلہ صادر ہونے کے بعد اعلان کے لئے، ورنہ کیسے سیدی اعلیٰ حضرت اعلان رویت کے خطوط تقسیم کراتے اور اس کا اعتبار کرتے۔

فتاویٰ رضویہ شریف جلد چہارم میں ہے: ’’لا یقضی القاضی بذالک عند المنازعة لأن الخط مما یُزَوَّرُ ویُفْتَعَلُ‘‘۔ [ردالمحتار]

قاضی جھگڑے کے وقت اس پر فیصلہ نہ کرے کیوں کہ خط میں کسی کی طرف جھوٹ منسوب کیا جا سکتا ہے اور بنالیا جاتا ہے۔

لہٰذا اب اگر رویت ہلال کمیٹی کا چیئرمین (حاکم) ثبوت رویت کے بعد اپنی تحریر، ثبوت رویت کے اعلان کے لئے پورے ملک میں جو اس کے دائرۂ عمل اور حدود قضا میں ہے تقسیم و ارسال کرے یا فون و فیکس و ای میل کرے تو اس کا اعتبار کیوں نہ ہوگا؟

سوال نمبر (۳) اگر کسی عالم کا ایک شہر میں ٹیلیفون اور پرچہ وغیرہ تقسیم کر کے اعلان کرنا ثبوت رویت کے بعد معتبر ہے تو دیگر بلاد میں کیوں نہ معتبر ہوگا جبکہ وہ دیگر بلاد بھی اس حاکم شرع کے دائرۂ عمل اور حدود قضا کے اندر ہوں اور اتنی دوری پر ہوں کہ شک وشبہ کی صورت میں کار، یا ہیلی کاپٹر وغیرہ کے ذریعہ جا کر تصدیق کر سکتے ہوں۔ بینوا توجروا۔

المستفتی: شمشاد احمد مصباحی
خادم تدریس و افتا، دار العلوم قادریہ غریب نواز،
لیڈی اسمتھ، ساؤتھ افریقہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب: زید کا قول صحیح ہے۔ پورے ملک کا ایک حاکم ہو سکتا ہے۔ یونہی قاضی القضاۃ بھی مقرر کیا جا سکتا ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ملک کے سب سے بڑے حاکم یا قاضی القضاۃ کے دیگر بلاد اور مقامات میں اس کے نُوّاب، امراء اور نائب قاضی نہ ہوں اور حاکم یا قاضی کا حکم یونہی تمام بلاد کے عوام کو پہنچ جائے بلکہ ہر زمانہ کا یہ دستور رہا اور اب تک یہ دستور چلا آ رہا ہے کہ حاکم اسلام کے ہر ہر جگہ نُوّاب اور اس کے مقرر کردہ قاضی ہوتے ہیں جن کو اس کا حکم پہنچتا ہے اور ہر جگہ کا والی اور قاضی اس کے حکم کو عوام پر نافذ کرتا ہے، جس طرح تمام ملک کا ایک حاکم یا قاضی مقرر کرنا ممکن

اسی طرح ''مرکزی رویت ہلال کمیٹی'' بھی قائم کی جاسکتی ہے، مگراس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوسکتا کہ ملک کے اورشہروں میں اصلاً رویت ہلال کمیٹیاں نہ ہوں اورعوام ازخود ایک ہی اعلان پر ہرشہر میں عمل کرلیں اور جب یہ امر اپنی جگہ مسلّم ہے کہ سب سے بڑے حاکم کے ماتحت اور بلاد میں حکام اورسب سے بڑے قاضی کے تحت اور بلاد میں قضاۃ ہوتے ہیں تو امورقضاء ہر ہرشہر میں ان قضاۃ کومفوض ہوں گے اوروہی سب سے بڑے حاکم یا قاضی کے فیصلے کوشروط قضا کے متحقق ہونے کے بعدعوام پر نافذ کریں گے اورشروط قضا متحقق نہ ہوں تو ان نائبین کے نزدیک اس کا حکم متحقق اور قابل عمل ہی نہ ہوگا چہ جائیکہ اس کووہ عوام پرنافذ کریں۔

عالمگیری میں ہے:

''ذکر فی کتاب الأقضیۃ اِن کتب الخلیفۃ الیٰ قضاتہ
اذا کان الکتاب فی الحکم بشھادۃ شاہدین شہدا عندہ
بمنزلۃ کتاب القاضی الیٰ القاضی لا یقبل الا بالشرائط
التی ذکرناھا وأمّا کتابہ أنّہ ولّی فلانا أو عزل فلانا
فیقبل عنہ بدون تلک الشرائط ویعمل بہ المکتوب الیہ
اذا وقع فی قبلہ أنہ حق ویمضی علیہ'' [ج۳،ص۳۹۶]

ہمارے جزئیہ سے دستور مذکور کا ثبوت بہم پہنچا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ سلطان اسلام کا حکم نامہ دوسرے شہر میں کسی قاضی کے لئے کچھ شرائط پر قابل عمل ہوتا ہے اور کس صورت میں کتاب القاضی الیٰ القاضی کے درجہ میں ہوگا یہ بھی ظاہر ہوا پھر مخفی نہ رہے کہ کتاب القاضی اِلی القاضی کے بارے میں یہ تصریح ہے کہ اس کا ثبوت اجماع سے برخلاف قیاس ہے۔

اسی ہندیہ میں ہے:

''یجب أن یعلم أن کتاب القاضی اِلی القاضی صار حجۃ

شرعا فی المعاملات بخلاف القیاس لأن الکتاب قد
یُفتعل ویُزَوَّر والخط یشبہ الخط والخاتم یشبہ الخاتم
ولٰکن جعلناہ حجۃ بالاجماع ولٰکن انما یقبلہ القاضی
المکتوب الیہ عند وجود شرائطہ ومن جملۃ الشرائط
البینۃ حتیٰ أن القاضی المکتوب الیہ لا یقبل کتاب
القاضی مالم یثبت بالبینۃ أنہ کتاب القاضی''۔

[ہندیہ، ج۳،ص۳۸۱]

یہی وجہ ہے کہ کتاب القاضی الیٰ القاضی بشرط شہادت شرعیہ وتحقق دیگر شرائط مقبول ہے مگر رسول قاضی مقبول نہیں۔اس جگہ اس امر کا خاص جزئیہ نقل کرنے کے بجائے مناسب سمجھتا ہوں کہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کے فتاویٰ سے ایک تنبیہ ضروری نقل کردوں جوفوائدمہمہ پر مشتمل ہے جس سے فیکس وغیرہ کوکتاب القاضی پر قیاس کرنے کا حال بھی کھلے۔

چنانچہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

تنبیہ چہارم۔علما تصریح فرماتے ہیں کہ دوسرے شہر میں بذریعہ خط خبر شہادت دینا صرف قاضی شرع سے خاص جسے سلطان نے فصل مقدمات پر والی فرمایا ہو یہاں تک کہ حکم کا خط مقبول نہیں۔

درمختار میں ہے: ''القاضی یکتب الیٰ القاضی وھو نقل الشھادۃ حقیقۃ ولا یقبل من حکم بل من قاضٍ مُوَلّی قِبَلَ الامام-الخ'' ملتقط۔ فتح میں ہے: ''ھٰذا النقل بمنزلۃ القضاء ولھٰذا لا یصح اِلا من القاضی'' غیر قضاۃ تو یہیں سے الگ ہوئے، رہے قاضی تو ان کی نسبت صریح ارشاد کہ اس بارے میں نامۂ قاضی کا قبول بھی اس وجہ سے ہے کہ صحابہ و

تابعین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے برخلاف قیاس اس کی اجازت پر اجماع فرمالیا ورنہ قاعدہ یہی چاہتا تھا کہ اس کا خط بھی انہیں وجوہ سے جو اوپر گزریں مقبول نہ ہو، اور پر ظاہر ہے کہ جو حکم خلاف قیاس مانا جاتا ہے مورد سے آگے تجاوز نہیں کرسکتا، اور دوسری جگہ اس کا اجرا محض باطل و فاحش خطا، پھر حکم قبول حد سے گزر کر تار تک پہنچنا کیوں کر روا؟ ائمۂ دین تو یہاں تک تصریح فرماتے ہیں کہ: اگر قاضی اپنا آدمی بھیجے بلکہ بذات خود ہی آکر بیان کرے کہ میرے سامنے گواہیاں گزریں ہرگز نہ سنیں گے کہ اجماع تو صرف دوبارۂ خط منعقد ہوا ہے پیام ایلچی وخود بیان قاضی اس سے جدا ہے، امام علامہ محقق علی الاطلاق ''شرح ہدایہ'' میں فرماتے ہیں: ''الفرق بین رسول القاضی وکتابه حیث یقبل کتابه ولا یقبل رسوله فلأنّ غایة رسوله أن یکون کنفسه و قدّمنا أنّه لو ذکر مافی کتابه لذٰلک القاضی بنفسه لا یقبله وکان القیاس فی کتابه کذالک اِلا أنّهٗ أجیز باجماع التابعین علیٰ خلاف القیاس فاقتصر علیه''۔ [فتاویٰ رضویہ جلد چہارم ص ۵۲۵-۵۲۶]

یہاں سے ظاہر ہوا کہ کتاب القاضی کا ثبوت بالاجماع برخلاف قیاس ہے اور جو چیز خلاف قیاس ثابت ہو وہ اپنے مورد پر مقتصر رہے گی، اس پر قیاس جائز نہیں جیسا کہ سطور بالا میں مفصلاً گزرا اور فتح القدیر سے اس کا جزئیہ بھی منقول ہوا ''فتح القدیر'' کے مندرجہ بالا جزئیہ سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ اسی فتح القدیر کا وہ جزئیہ جو کثیف پردے کے پیچھے چھپے ہوئے کسی شخص کی آواز سن کر گواہی دینے سے متعلق ہے جس کی عبارت یوں ہے:

''ولو سمع من وراء حجاب کثیف لا یشف من وراءه لا

یجوز له ان یشهد ولو شهد و فسره للقاضی بأن قال سمعته باع ولم ار شخصه حین تکلم لا یقبله لأن النغمة تشبه النغمة اِلا اذا أحاط بعلم ذالک لأن المسوغ هو العلم غیر أن رویته متکلماً بالعقد طریق العلم به فاذا فرض تحقق طریق آخر جاز''۔ [فتح القدیر ج۶، ص ۴۶۳]

وہ اس صورت سے متعلق نہیں، تو جزئیہ اس پر منطبق ہی نہیں، اس سے قطع نظر کہ کتاب القاضی کا ثبوت برخلاف قیاس ہے، اسی فتاویٰ رضویہ سے فتح القدیر کے اس جزئیہ کے مضمون سے متعلق ائمہ کا یہ فیصلہ بھی سن لیجئے جو یوں اسی فتاویٰ رضویہ میں منقول ہوا: تبیین الحقائق پھر فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

''ولو سمع من وراء الحجاب لا یسعه أن یشهد لاحتمال أن یکون غیره اِذا لنغمة تشبه النغمة اِلا اِذا کان فی الداخل وحده ودخل وعلم الشاهد أنه لیس فیه غیره ثم جلس علیٰ السلک ولیس له مسلک غیره فسمع اِقرار الداخل ولا یراه لانه یحصل به العلم وینبغی للقاضی ان فسر لهٗ ان لا یقبله''۔ [فتاویٰ رضویہ جلد چہارم ص ۵۲۹]

اور اگر فتح القدیر کا جزئیہ مذکورہ سے بوجہ استثناء مذکور بعلت احاطۂ علم ٹیلیفون کی خبر کو معتبر ہونا مقصود ہے تو بھی یہ جزئیہ اس صورت پر منطبق نہیں کما ھو ظاہر اور اس کا مختلف فیہ ہونا تبیین الحقائق اور عالمگیری کے جزئیہ منقولہ سے آشکار ہے اسی فتاویٰ رضویہ میں دربارۂ ٹیلیفون فرمایا:

''ٹیلیفون دینے والا اگر سننے والے کے پیش نظر نہ ہو تو امور شرعیہ میں اس کا کچھ اعتبار نہیں، اگرچہ آواز پہچانی جائے کہ آواز مشابہ آواز ہوتی ہے۔ اگر وہ کوئی شہادت دے معتبر نہ ہوگی اور

اگر کسی بات کا اقرار کرے تو سننے والے کو اس پر گواہی دینے کی اجازت نہیں، ہاں اگر وہ اس کے پیش نظر ہے جسے دو بدو آمنے سامنے سے تعبیر کرتے ہیں یعنی اس کی دونوں آنکھیں اس کی دونوں آنکھوں کے سامنے ہوں، ایک دوسرے کو دیکھ رہا ہو اور ٹیلیفون کا واسطہ صرف بوجہ آسانی آواز رسانی کے لئے ہو کہ اتنی دور سے آواز پہنچنا دشوار تھا تو اس صورت میں اس کی بات جس حد تک شرعاً معتبر ہوتی اب بھی معتبر ہوگی مثلاً خود اپنی رویت کی شہادت ادا کرے تو مانی جائے گی اگر وہ مقبول الشہادۃ ہے“

[فتاویٰ رضویہ جلد چہارم ص ۵۲۸-۵۲۹]

جہاں تک سائل فاضل نے فیکس، ٹیلیفون وغیرہ کے متعلق ذکر کیا ان میں سے اکثر باتوں کا جواب روشن اور بعض باقی کا جواب اسی سے ظاہر، رہا سائل فاضل نے پرچے کو جو ذکر کیا اس کے متعلق خود فتاویٰ رضویہ کے یہ کلمات دیکھیں، اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کا جواب مع سوال اس جگہ مرقوم ہوتا ہے:

”سوال حضرت مولانا.......... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

معروض خدمت شریف ہے کہ جناب والا کا ایک مختصر سا پرچہ جس پر جناب کی مہر لگی ہوئی ہے اور ایک سطر میں یہ عبارت مرقوم ہے (میرے سامنے شہادتیں گزر گئیں کل جمعہ کو عید ہے) خاکسار کو موصول ہوا اس کے متعلق فتویٰ شرعی دریافت طلب ہے کہ جس جگہ یہ پرچہ پہونچے تو وہاں کے لوگوں کو جمعہ کو عید کرنا لازم تھی یا نہیں؟ اور روزے توڑ دینا ضرور تھے یا نہیں؟ اور اس کی عام تشہیر اور دیگر بلاد میں اشاعت سے کیا مفاد تھا؟ بینوا توجروا

الجواب: وہ پرچے دیگر بلاد میں نہ بھیجے گئے، تقسیم کرنے والوں

نے اسٹیشن پر بھی دیئے، ان میں سے کوئی لے گیا ہوگا، بعض لوگوں نے پیلی بھیت کے واسطے چاہا اور ان کو جواب دے دیا گیا کہ جب تک دو شاہد عادل لے کر نہ جائیں پرچہ کافی نہ ہوگا اور بلاد بعیدہ کو کیوں کر بھیجے جاتے۔ واللہ تعالیٰ اعلم“

(جلد چہارم ص ۵۳۲)

یہیں سے یہ ظاہر ہوا کہ وہ پرچے شہر اور قرب و جوار شہر ہی کے لئے تھے، شہر سے قریب دوسرے شہر کے لئے بھی معتبر نہیں ہیں، یہی جواب توپ پر قیاس کا ہے کہ توپ کا اعتبار بعد تحقق رویت والی شہر کے حکم سے محض شہر اور حوالی شہر تک محدود رہے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ قالہ بفمہ وأمر برقمہ۔

فقیر محمد اختر رضا قادری ازہری غفرلہٗ

اعلان رویت کے حدود میں توسیع کی بحث

اس جواب میں اجمالی طور پر کتاب القاضی الی القاضی ٹیلیفون وغیرہ سب پر گفتگو ہو چکی اعلان کے متعلق اتنا اور کہنا ہے، غالباً کتب مذہب میں اس کی صراحت نہیں ملتی کہ سلطان اسلام یا قاضی القضاۃ کا اعلان سارے جہاں کے لئے کافی ہے۔ توپ وغیرہ امارات ظاہرہ پر قیاس کا جواب گزرا فتح الباری تحفۃ المحتاج وغیرہ کتب شافعیہ اپنے مذہب کی کتب نہیں، اور انہوں نے جو استثناء بایں الفاظ ذکر کیا ”الا أن یثبت عند الامام الاعظم فیلزم الناس کلھم لأن البلاد فی حقہ کالبلد الواحد“ اس میں وجہ الزام مفسر نہ ہوئی کہ کس طریقے سے وہ سب کو لازم کریگا، براہ راست، اگر براہ راست تو کس ذریعے سے اور وہ ذریعہ مبدا سے منتہیٰ تک اس کے قبضے میں ہوگا اور اس پورے سلسلے میں اسے اپنے قبضے میں رکھنے کا وہ کیا بندوبست کریگا؟ اور اگر بطریق نواب وولاۃ وامراء، تو کونسی شروط ملحوظ ہوں گی؟

اس سے قطع نظر ریڈیو وغیرہ سے ایسا اعلان عام اس ملک میں متصور نہیں اس کی

بحث اس جگہ بے فائدہ ہے شرع کا قاعدہ ہے ''الامور بمقاصدھا'' لہٰذا اگر ریڈیو وغیرہ سے اعلان عام کے معتبر ہونے کی ان بلاد میں یہ تمہید ہے تو یہ امر سخت ہولناک و شدید ہے۔ ہمارے پاس عالمگیری کا جونسخہ ہے اس کی عبارت یوں ہے:

''ذکر فی کتاب الأقضیة ان کتب الخلیفة الی قضاته اذا کان الکتاب فی الحکم بشهادة شاہدین شهدا عنده بمنزلة کتاب القاضی الیٰ القاضی لا یقبل الا بالشرائط التی ذکرناها-الخ''

اس میں ''اِن کتب الخلیفة الیٰ قضاته'' کے بعد ''ففیه تفصیل'' نہیں ہے جو بریکٹ میں درج ہے، بریکٹ میں درج ہونے سے یہ خیال ہوتا ہے کہ اسے ناقل نے ایہام پیدا کرنے والے انداز میں اصل عبارت میں رکھ دیا۔ کیونکہ بسا اوقات کتابوں میں مصنف کے اصل کلمات بھی بریکٹ میں آجاتے ہیں۔ اب اگر کسی نسخہ میں وہ لفظ ہے جو بریکٹ میں درج ہوا تو تصحیح نقل کی جائے اور اگر نہیں تو یہ اضافہ اصل عبارت سے متصل اس ایہام کے ساتھ نہ ہونا چاہئے تھا بلکہ اس سے پہلے کوئی لفظ لاتے جو صاف تغیر و تصرف کا پتہ دیتا اور اس سے یہ ایہام زائل ہوتا کہ ''ففیه تفصیل'' اصلِ عبارتِ مصنف ہے، اور یہ ایہام پیشگی ہی زائل کر دیتے۔

جو دستور، قدیم سے سلاطین اسلام میں رہا اس پر ہم نے اپنے فتویٰ میں روشنی ڈالی اور عالمگیری کا جزئیہ پیش کیا ہمارے جزئیہ سے دستور مذکور کا ثبوت بہم پہونچا، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ سلطان اسلام کا حکم نامہ دوسرے شہر میں کسی قاضی کے لئے کچھ شرائط پر قابل عمل ہوتا ہے اور وہ کس صورت میں کتاب القاضی الیٰ القاضی کے درجے میں ہوگا جزئیہ مذکورہ سے صاف ظاہر ہے کہ خلیفۃ المسلمین اطلاع حکمی بلاد مختلفہ میں اپنے قضاۃ کو دیتا تھا اور اسکی اطلاع حکمی میں وہ شروط قدیم سے ملحوظ ہیں اور انہیں شروط پر اس کا حکم نامہ یا اطلاع حکمی معمول و مقبول ہوا۔

اعلان کا نیا طریقہ جس کا رواج ہوا چاہتا ہے اور جس پر ایک طریقہ غامضہ سے اپنے زعم میں دلالت قائم کرنا چاہی اس جزیئے سے آشکارا نہیں۔ مانع کو اسی قدر کافی بلکہ جو اس سے صاف ظاہر ہے وہ ہے جو ہم نے ابھی ذکر کیا اور ظاہر سے عدول بے دلیل نامقبول پھر مانع تو مانع لزوم ہے اور وہ ہم ہیں نہ کہ مدعی۔ اگر یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ جزئیہ مذکورہ کسی طرح اس اعلان مزعوم پر دلالت کرتا ہے اور یہ کہ حکم اگر پہلے سے ثابت ہو تو قاضی کے پاس اعلان حکم بھیجنے کے لئے وہ شرط ضروری نہیں جو کتاب القاضی الیٰ القاضی میں درکار ہے، پھر بھی خلیفۃ المسلمین کے مقررہ قاضیوں کے نزدیک ثبوت حکم کے لئے وہی شرط درکار ہوگی جو اس جزئیہ میں مذکور ہے تو اس سے مفر کدھر اور حکم اور اعلان کا تفرقہ کیا مفید؟

سطور بالا میں طریقہ غامضہ کا ذکر گزرا اسکی وضاحت کے لئے پیش نظر مقالہ کی عبارت درج کرنا ناگریز ہے۔ مقالہ نگار جزئیہ مذکورہ کی توجیہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''اس عبارت میں پہلی شرط (اِن کتب الخلیفة) کی جزا محذوف ہے۔ چاہیں تو وہ جزا (ففیه تفصیل) مانیں یا (فهو علیٰ نوعین) اور دوسری شرط (اذا کان الکتاب فی الحکم-الخ) کی جزا (لایقبل اِلا بالشراط التی ذکرناها) ہے''۔

یہ شرط دو قیدوں کے ساتھ مقید ہے (۱) فی الحکم بشهادة شاہدین شهدا عنده۔ (۲) بمنزلة کتاب القاضی الیٰ القاضی۔ جب یہ شرط ان دونوں ضروری قیود کے ساتھ پائی جائیگی تب اس پر لا یقبل الا بالشرائط کا حکم جاری ہوگا۔ اور اگر کوئی بھی ایک قید مرتفع ہوئی تو شرط کا تحقق نہ ہوگا، لہٰذا اس پر

لا یقبل الا بالشرائط کا حکم بھی جاری نہ ہوگا۔ کہ اذا فات الشرط فات المشروط تسلیم شدہ ضابطہ ہے۔ اب اگر خلیفہ کا خط بمنزلۂ کتاب القاضی الی القاضی نہ ہو کہ اس سے مقصود اثبات حکم ہو (خواہ بذریعہ نقل شہادت، یا نقل حکم) بلکہ ثابت شدہ حکم کے اعلان کے لئے ہو تو وہاں کتاب القاضی کے شرائط کا لحاظ ضروری نہ ہوگا۔

فتاویٰ عالمگیری کی عبارت ’’فی الحکم بشہادۃ شاھدین‘‘ کا مفہوم ہے ’’دو گواہوں کی شہادت پر فیصلہ کے بارے میں‘‘۔ اس کو یہ لازم نہیں کہ خلیفہ نے فیصلہ صادر کر دیا، بلکہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ خلیفہ نے ’’فیصلہ کے بارے میں‘‘ شہادت لی اور اس کی بنا پر فیصلہ صادر کرنے کے لئے اپنے خط کے ذریعہ نقل شہادت کیا، اس طور پر یہ خط خلیفہ کے کئے ہوئے فیصلے سے متعلق نہ ہوا۔ ایسے خط کو فقہا کتاب حکمی کہتے ہیں۔ مانع کے لئے اسی قدر کافی ہے۔ انتہیٰ کلامہ۔

ہم نے پہلے ہی باندازِ سوال عرض کر دیا کہ اعلان و حکم کا تفرقہ کچھ مفید نہیں اور اعلان، تحقیق حکم پر موقوف اور قاضیوں کے نزدیک خلیفہ کے حکم کا تحقق اسی طریقے پر موقوف جو ہمارے منقولہ جزئیہ میں مذکور ہوا۔ اور مقالہ میں درج صورتِ دیگر، مقالہ نگار کا اپنا استخراج ہے جو جزئیہ سے ظاہر نہیں۔

مقالہ نگار آگے لکھتے ہیں:

’’اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ خلیفہ نے اپنا فیصلہ لکھ کر بھیجا تو بھی وہ بمنزلۂ کتاب القاضی الی القاضی کی قید سے مقید ہے، یہ کہاں ہے کہ اعلان کے لئے بھیجا

جس سے اعلان کا غیر معتبر ہونا ثابت ہو جائے‘‘۔

جی ہاں! تسلیم نہ کرنے کی وجہ کیا ہے؟ حالانکہ اس جزئیہ سے صاف ظاہر ہے کہ خلیفہ نے اپنا فیصلہ اپنے قضاۃ کو لکھ کر بھیجا۔ اس طرح اس نے اپنے فیصلے کی اطلاع اصالۃً ان قضاۃ کو دی۔ اور یہ باعتراف مقالہ نگار کتاب القاضی الی القاضی کی قید سے مقید ہے تو ثابت ہوا کہ خلیفہ کے فیصلے کی اطلاع بلاد بعیدہ میں اس کے قضاۃ کو اسی طریقہ پر ہوتی رہی۔ اب ہم سے یہ کیا سوال ہے کہ یہ کہاں ہے کہ اطلاع کے لئے بھیجا جس سے اعلان کا غیر معتبر ہونا ثابت ہو جائے۔ مفہوم کتاب فی الحکم دونوں پر صادق، خواہ وہ کتاب القاضی تنفیذ حکم کے لئے بھیجی جائے یا پہلے سے ثابت شدہ حکم کے اعلان کے لئے کہ حکم دونوں صورتوں میں ہے۔

اب ہم پوچھتے ہیں کہ پہلے سے ثابت شدہ حکم اگر خلیفہ لکھ کر اعلان کے لئے بھیجے تو اس وجہ سے اس کا خط کتاب فی الحکم کا مصداق ہونے سے کیسے نکل جائے گا اور وہ بمنزلۂ کتاب القاضی کیوں نہ ہوگا؟ حالانکہ کتاب القاضی دوسرے قاضی کو برعایت شرائط حکم پر مطلع کرنے اور اسے نافذ کرنے کے لئے بھی بھیجی جاتی ہے۔ اور جب کتاب فی الحکم کا مفہوم تنفیذ و اعلان دونوں کو شامل تو قطعاً ضروری کہ عالمگیری کے جزئیہ میں مذکور قید ’’بشہادۃ شاہدین شھدا عندہ‘‘ کتاب فی الحکم کے مفہوم عام سے متعلق ہو جس کا لازمی معنی یہ ہے کہ شرائط کتاب القاضی کا لحاظ دونوں صورتوں میں ضروری ہے۔

اب جزئیہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر خلیفہ نے اپنے قضاۃ کو کوئی خط لکھا تو اگر وہ خط دربارۂ حکم ہو (خواہ تنفیذ کے لئے ہو یا اعلان کے لئے) جسے خلیفہ نے گواہوں کی موجودگی میں جو اس کے نزدیک حاضر تھے بطور کتاب القاضی الیٰ القاضی لکھا ہو تو انہیں شرائط پر مقبول ہوگا جو ہم نے ذکر کیں۔

عالمگیری کے جزئیے کے جواب میں مقالہ نگار نے

درج ذیل عبارت تحریر کی:

''واقعہ یہ ہے کہ خلیفہ سارے عالم اسلام کا فرمانروائے اعظم ہوتا تھا، اس کی خدمت میں کسی بھی ریاست، بلکہ کسی بھی ملک کا مقدمہ دائر ہوسکتا تھا، اب اگر اس نے کسی ملک، یا کسی ریاست کے مقدمہ کا فیصلہ کر کے تنفیذ کے لئے اپنے قاضی کو خط لکھا تو خصم کہہ سکتا تھا کہ یہ ''کتاب الخلیفہ'' نہیں ہے۔ بلکہ مدعی نے جعل سازی کی ہے''

اس جواب سے اعلان اور تنفیذ کی تفریق نہ رہی تنفیذ کے لئے کتاب القاضی الی القاضی کی شرط مانی تھی وہ یکسر اٹھ گئی۔ جیسا کہ ظاہر ہے پھر اگلوں نے کتاب القاضی الی القاضی کا اعتبار کیوں کیا اور اس میں وہ شرطیں کیوں رکھیں۔ کیا خود قاضی یا رسولِ قاضی تحقیق کے لئے کافی نہ تھے پھر ان کا اعتبار کیوں نہ کیا۔ بات وہی ہے کہ کتاب القاضی الی القاضی پر صحابہ وتابعین کا اجماع ہولیا اور اس میں وہ شروط اجماعی ہمیشہ سے ملحوظ رہیں اب اگر رسول قاضی یا قاضی کو معتبر ٹھہراتے تو اجماع چھوڑتے۔ بھلا ان ائمہ دین کو باوصف حاجت اس طریقہ معہودہ متفقہ کے خلاف جرأت نہ ہوئی کیا ان جدید ذرائع کو بروئے کار لانا اجماع کو اٹھانا نہیں؟ اور جب ان میں خود شبہے مانیں تو پھر انہیں ذرائع سے تصدیق وتحقیق چاہنا کیا معنیٰ؟

ٹیلیفون کو توپ کی آواز پر قیاس کرنے کی بحث

بعض احباب نے فرمائش کی کہ ٹیلیفون اور موبائل کی خبر کو دربارۂ رویت کافی ماننے والوں نے توپ کی آواز پر بھی قیاس کیا ہے اس سلسلے میں بھی کچھ لکھا جائے۔

لہٰذا سوال ہے کہ قیاس اسی وقت ہوتا ہے جب مسئلہ حادثہ میں کوئی نص کتاب و سنت سے نہ ملے کیا یہ قیاس پتہ نہیں دے رہا کہ ٹیلیفون کی خبر کو بمنزلہ استفاضہ ماننے والے اپنے دعوے پر کتاب وسنت سے کوئی نص نہیں رکھتے مقیس منصوص نہیں

ہوتا، کیا مقیس علیہ بھی کوئی ایسا امر ہے جو بغیر نص خود ثابت ہو جائے۔

اب توپ مقیس علیہ ہے بتایا جائے کہ توپ کا طرق موجبہ سے ہونا کون سی نص پر اعتماد کرتا ہے، کوئی نص بخصوصہٖ توپ کے بارے میں وارد ہے یا کوئی حکم عام منصوص ہے جس کے تحت توپ کا طرق موجبہ سے ہونا مندرج ہے یا توپ کا اعتبار بر بنائے عرف تھا، بر تقدیر ثالث توپ پر اعتماد کس زمانے کا عرف تھا، کیا وہی عرف اب تک چلا آرہا ہے؟

اُس زمانے کے عرف میں توپ کے معتبر ہونے کی بھی کچھ شرطیں تھیں یا یونہی بلا شرط وہ معتبر تھی، بر تقدیر اول وہ شرطیں کیا تھیں بیان کیا جائے۔

پہلے زمانے میں توپ بعدِ حکمِ حاکم داغی جاتی تھی نیز توپ سلطان اور اس کے حکام کے قبضے میں ہوتی تھی، آج تو توپ کا عرف ہی نہ رہا تو مقیس علیہ اس زمانے میں موجود ہی نہیں کیوں کہ آج اس کا عرف منقطع ہوگیا تو پھر امر غیر موجود اور عرف منقطع پر قیاس کا کیا معنیٰ۔

بالفرض اگر توپ چلا کر اعلان کرنے کا عرف ہے تو کیا مطلقاً بلا شرط توپ کا اعتبار ہوگا یا یہ شرط ہوگی کہ پہلے حکم حاکم متحقق ہو یعنی حاکم کے یہاں شہادت شرعیہ رویت ہلال کی گزرے اور وہ بر بنائے شہادت حکم کرے، پھر دوسری شرط یہ کہ حاکم ایسی توپ چلوا کر اعلان کروائے جو اس کے قبضے میں ہو پھر یہ بھی شرط ہے کہ اس توپ کی آواز اس جیسی دوسری توپ کی آواز سے متمیز وجدا ہو کہ پہچانی جائے اور معلوم ہو کہ یہ اسی توپ کی آواز ہے جو حاکم نے چلوائی کیا اس تیسری شرط کا تحقق اس آزاد اور بے راہ روی کے زمانے میں ممکن ہے؟

بہر حال توپ کا اعتبار مستقل حجت شرعیہ نہیں بلکہ حکم حاکم پر موقوف ہے ٹیلیفون موبائل جن کی خبر کو درجۂ استفاضہ میں مانا جارہا ہے حکم حاکم اس صورت میں اسی استفاضۂ محدثہ پر موقوف ہے۔ اب بتایا جائے کہ مقیس یعنی ٹیلیفون کی خبر کا تحقق

اس استفاضے پر موقوف ہے جو غیر منصوص ہے اور مقیس علیہ توپ کی خبر حکم حاکم کے بعد معتبر تو دونوں ایک دوسرے سے جدا ہیں یا نہیں اس طور پر یہ قیاس مع الفارق ہوا یا نہیں؟ ہوا اور ضرور ہوا۔

کیا قیاس کے لئے اتنی بات کافی ہے کہ مقیس اور مقیس علیہ میں علت جامعہ ہو؟ کیا اسی قدر پر قیاس صحیح ہوگا؟ کیا بے ضرورت قیاس کی اجازت ہے؟ نہیں، تو ضرورت کیا ہے بیان کی جائے، نص اگر موجود ہو تو قیاس نہیں ہوتا کہ نص سے حکم خود ہی ثابت۔ ان حضرات نے قیاس کے پردے میں کیا یہ نہ مان لیا کہ اپنے دعوے پر کوئی نص نہیں رکھتے؟ صحت قیاس کے لئے کیا یہ ضروری نہیں کہ موانع قیاس مرتفع ہوں؟ ظاہر ہے کہ ماوشما اہلیت اجتہاد نہیں رکھتے، ہمارے لئے تصریحات ائمۂ مذہب بمنزلۂ نصوص شرع ہیں، ہمیں انہیں پر بحکم تقلید عمل لازم۔

اب بتایا جائے کہ ٹیلیفون کی خبر محض بلا دلیل برخلاف تصریحات فقہا حجت شرعیہ واستفاضہ تو ٹھہرادی، جب دیکھا کہ دعوے پر کوئی نص نہیں تو اعلیٰ حضرت کے فتوے کا سہارا لیا اور توپ کی آواز پر قیاس فرمایا، اس قیاس کا حال خود اعلیٰ حضرت کے کلمات سے ادنیٰ متأمل کو کھل جائے گا۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

> طریق ہفتم: علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے توپیں سننے کو بھی حوالی شہر کے دیہات والوں کے واسطے دلائل ثبوت ہلال سے گنا۔ ظاہر ہے کہ یہاں بھی وہی شرائط مشروط ہوں گے کہ اسلامی شہر میں حاکم شرع معتمد کے حکم سے انتیس کی شام کو توپوں کے فائر صرف بحالت ثبوت شرعی رویت ہلال ہوا کرتے ہوں کسی کے آنے جانے کی سلامی وغیرہ کا اصلاً احتمال نہ ہو ورنہ شہر اگرچہ اسلامی ہو مگر وہاں احکام شرعیہ کی قدر نہیں احکام جہاں بے خرد یا نیچری رافضی وغیرہم بدمذہبوں کے حوالے ہیں جنہیں نہ

قواعد شرعیہ معلوم نہ ان کے اتباع کی پروا، اپنی رائے ناقص میں جو آیا اس پر حکم لگا دیا، توپیں چل گئیں، تو ایسی بے سروپا باتیں کیا قابل لحاظ ہوسکتی ہیں کما لایخفی، پھر جہاں کی توپیں شرعاً قابل اعتماد ہوں ان پر عمل اہل دیہات ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ عند التحقیق خاص اس شہر والوں کو بھی ان پر اعتماد سے مفر نہیں کہ حاکم شرع کے حضور شہادتیں گزرنا اس کا ان پر حکم نافذ کرنا ہر شخص کہاں دیکھتا سنتا ہے بحکم حاکم اسلام اعلان عام کے لئے ایسی ہی کوئی علامت معہودہ معروفہ قائم کی جاتی ہے جیسے توپوں کے فائر یا ڈھنڈورا وغیرہ۔

اقول: یہیں سے ظاہر ہوا کہ ایسے اسلامی شہر میں منادی پر بھی عمل ہوگا حتی کہ اس کی عدالت بھی شرط نہیں جبکہ معلوم ہو کہ بے حکم سلطانی ایسا اعلان نہیں ہوسکتا۔ عالمگیریہ میں ہے:

خبر منادی السلطان مقبول عدلا كان اوفاسقا كذا في جواهر الاخلاطي۔

قلت والظاهر انه يلزم اهل القرى، الصوم بسماع المدافع اورؤية القناديل من المصر لانه علامة ظاهرة تفيد غلبة الظن وغلبة الظن حجة موجبة للعمل كما صرحوا به، واحتمال كون ذلك عادة في ليلة الشك الالثبوت رمضان۔

منحۃ الخالق میں ہے:

لم يذكروا عندنا العمل بالامارات الظاهرة الدالة على ثبوت الشهر كضرب المدافع في

زماننا والظاهر وجوب العمل بها علی من سمعها ممن کان غائبا عن المصر کاهل القری ونحوها کما یجب العمل بها علی اهل المصر الذین لم یروا الحاکم قبل شهادة الشهود وقد ذکر هذا الفرع الشافعیة فصرح ابن حجر فی التحفة انه یثبت بالامارة الظاهرة الدالة التی لاتتخلف عادة کرؤیة القنادیل المعلقة بالمنابر قال ومخالفة جمع فی ذالك غیر صحیحة۔ (فتاویٰ رضویہ ج۱۰ص۴۲۰،۴۲۱)

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت نے توپ کی آواز کو بعد تحقق رویت شہر وحوالی شہر کے لئے اعلان کافی مانا ہے یا غیر محدود علاقے کے لئے؟ برتقدیر اوّل موبائل کی خبر دوسرے شہر کے لئے کیوں کر حجت شرعیہ ہوسکتی ہے؟ برتقدیر ثانی اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کلمات سے یہ دکھایا جائے کہ توپ کا اعلان حوالی شہر کے علاوہ جہاں آوازِ توپ نہ پہنچے بھی معتبر ہے۔

قیاس کرنے والے صاحب ذرا یہ بتائیں کہ آپ کے دعوے پر نص تو نہیں ورنہ ضرور اس کو ذکر کرتے، ان نصوص فقہا وتصریحات ائمہ کا کیا جواب ہے؟ صاحب قیاس کے کسی مقالے میں میں نے یہ نہ پایا کہ انہوں نے اس کا کوئی جواب دیا ہو۔

ایک مکتوب میری نظر سے گزرا جس میں علامہ رحمتی کی عبارت میں استفاضے کی تعریف کو ان کے زمانے کے لحاظ سے بتایا اور بہت ساری دیگر عبارات جن کو ہم نے ذکر کیا ان کو نظر انداز فرمایا۔

ایک اور مقالے میں اپنے طور پر اس شبہے کا ازالہ کہ ٹیلیفون کی خبر دربارۂ رویت معتبر نہیں یوں فرمایا کہ اعلیٰ حضرت کے زمانے میں ٹیلیفون سے اطلاع دینے میں دشواری تھی اب یہ دشواری نہیں بلکہ ٹیلیفون وموبائل سے رابطہ جلد بآسانی ہو جاتا ہے

اور 3G موبائل ہو تو ایک دوسرے کو دیکھنا بھی ہوتا ہے یہ مقالے کا حاصل ہے یہاں مقالے کی عبارت درج ہوتی ہے:

ازالۂ شبہ: پہلی بات تو یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت کے زمانہ کو تو سوسال ہوگئے، آج سے تیس پینتیس سال پہلے بھی ٹیلی فون سے خبر کی یہ صورت نہیں تھی جو صورت آج ہے۔ اس وقت ٹیلی فون سے بات کرنے کے لئے پہلے مقامی ایکسچینج میں کال بک کرانی پڑتی تھی، پھر مقامی ایکسچینج دوسرے ایکسچینج سے رابطہ کرتے تھے، اس کے بعد وہ ایکسچینج اس ٹیلیفون سے رابطہ کرنے کے بعد بطرز معکوس ٹیلیفون کرنے والے سے بات کراتے تھے، جس میں بسا اوقات گھنٹوں انتظار کرنا پڑتا تھا اور اب ٹیلی فون ہو یا موبائل ان سے بات کرنے کے لئے ان واسطوں کی کوئی ضرورت نہیں پڑتی ہے۔ آپ جن سے بات کر رہے ہوتے ہیں ان کا نمبر آپ کی نگاہ میں اور جو آپ سے بات کر رہا ہوتا ہے آپ کا نمبر ان کے سامنے ہوتا ہے بلکہ دونوں جانب تھری جی 3G موبائل ہو تو آپ ان کو اور وہ آپ کو دیکھ رہا ہوتا ہے۔

خیر ان دونوں نے تو اپنے طور پر تصریحات فقہا کے تدارک کی ناکام کوشش کی صاحب قیاس نے کیا تدارک کیا بیان کیا جائے، نیز بیان کیا جائے کہ مکتوب ومقالے کا بیان بالا انہیں تسلیم ہے یا نہیں؟ برتقدیر اوّل ان پر بھی وہ سوالات ہیں جو مقالے میں مفصل گزرے، برتقدیر ثانی تدارک کیا ہے بیان ہو اور اس پر دلیل قائم کی جائے ورنہ کیا یہ قیاس تصریحات فقہا کا مساعد ہے یا ان کا رافع ومخالف ہے اور اگر مساعد نہیں اور ضرور نہیں تو محض یہ قیاس بے ضرورت نہیں بلکہ موانع قیاس کی موجودگی میں یہ قیاس ہے ایسا کیونکر قابل اعتبار ہوسکتا ہے؟

حضورتاج الشریعہ کے موقف کی تصدیق کرنے والے ہزاروں علما ومفتیان کرام میں سے چند کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

علمائے گھوسی ومئو

(۱) حضرت علامہ رضوان احمد شریفی، شیخ الادب مدرسہ شمس العلوم، گھوسی، مئو
(۲) حضرت علامہ ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی شیخ الحدیث دارالعلوم اہلسنت شمس العلوم گھوسی
(۳) حضرت علامہ فداء المصطفیٰ قادری شیخ الحدیث مدرسہ رضویہ بدرالعلوم، گھوسی،
(۴) حضرت علامہ فیضان المصطفیٰ قادری استاذ جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی، مئو
(۵) حضرت مولانا عبدالرحمن مصباحی استاذ جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی، مئو
(۶) حضرت علامہ حافظ محمد صدیق مصباحی استاذ جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی، مئو
(۷) حضرت مولانا مفتی جمال مصطفی قادری پرنسپل جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی، مئو
(۸) حضرت مولانا علاء المصطفی قادری ناظم اعلیٰ جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی، مئو
(۹) مولانا ابو یوسف محمد استاذ جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی، مئو
(۱۰) مولانا بدر عالم برکاتی مدرسہ حنفیہ بحرالعلوم، مئو
(۱۱) مفتی ممتاز احمد نوری مدرسہ حنفیہ بحرالعلوم، مئو
(۱۲) مولانا محمد شعیب شمسی مدرسہ حنفیہ بحرالعلوم مئو
(۱۳) مولانا نذیر احمد منانی شیخ الادب، اشرفیہ ضیاء العلوم، مئو

علمائے بنارس

(۱۴) حضرت علامہ قاضی غلام یٰسین صاحب، قاضی شہر، بنارس
(۱۵) مفتی محمد معین الدین صاحب، عرف پیارے میاں، الجامعۃ الحمیدیہ، شکرتالاب
(۱۶) مولانا، ڈاکٹر شفیق اجمل صاحب، مہتمم جامعہ تاج الشریعہ، بنارس
(۱۷) مولانا رجب علی شیخ الحدیث جامعہ حنفیہ غوثیہ، بجرڈیہہ، بنارس

(۱۸) مولانا محمد یعقوب صاحب پرنسپل // // //
(۱۹) مفتی سید فاروق صاحب مفتی // // //
(۲۰) مولانا کریم الزماں صاحب استاذ // // //
(۲۱) مولانا اشتیاق عالم صاحب استاذ // // //
(۲۲) مولانا سید اصغر امام صاحب پرنسپل جامعہ فارقیہ بنارس
(۲۳) مولانا صدیق عالم صاحب استاذ // // //
(۲۴) مولانا اخلاق احمد صاحب استاذ // // //
(۲۵) مولانا عبدالہادی صاحب استاذ // // //
(۲۶) مفتی محمد یامین صاحب مفتی حمیدیہ رضویہ بنارس
(۲۷) مولانا نجم الدین صاحب // // //
(۲۸) مولانا معین الدین صاحب // // //
(۲۹) مولانا صلاح الدین صاحب // // //
(۳۰) مولانا احسن کمال صاحب // // //
(۳۱) مولانا مفتی قاضی فضل احمد مفتی ضیاء العلوم بنارس
(۳۲) مولانا وکیل احمد مصباحی استاذ // //
(۳۳) مولانا محمد اسلم استاذ // //
(۳۴) مولانا مظفر الدین صاحب **مدینۃ العلوم** جلالی پورہ بنارس
(۳۵) مولانا غلام انور صاحب // // //
(۳۶) مولانا انوار احمد صاحب // // //
(۳۷) مولانا قاری دلشاد احمد // // //
(۳۸) مولانا محبوب عالم مدرسہ رشید العلوم بنارس
(۳۹) مولانا جہانگیر عالم // // //

(۴۰) مولانا امیر اعظم // // //

علمائے بلرام پور وگونڈہ

(۴۱) حضرت مفتی حفیظ اللہ صاحب بانی جامعہ عائشہ پیچپیڑوا، بلرام پور

(۴۲) مفتی حبیب اللہ صاحب نعیمی شیخ الحدیث دارالعلوم فضل رحمانیہ پیچپیڑوا بلرام پور

(۴۳) مفتی مسیح الدین حشمتی الجامعۃ غوثیہ اترولہ بلرام پور

(۴۴) حضرت مولانا مفتی سید افضال احمد صدر العلوم گونڈہ

(۴۵) مولانا مفتی امان الرف دارالعلوم مینائیہ گونڈہ

علمائے راجستھان واندور

(۴۶) مفتی محمد شیر محمد رضوی شیخ الحدیث دارالعلوم اسحاقیہ جودھپور راجستھان

(۴۷) مفتی محمد عالمگیر مصباحی دارالعلوم اسحاقیہ جودھپور راجستھان

(۴۸) مفتی ولی محمد رضوی، باسنی، ناگپور، راجستھان

(۴۹) مفتی محمد حبیب یار خان قادری، صدر و مہتمم دارالعلوم نوری اندور

(۵۰) مولانا محمد نور الحق نوری شیخ الحدیث، دارالعلوم نوری اندور

(۵۱) مولانا ڈاکٹر عبد العلیم صاحب رضوی نائب شیخ الحدیث دارالعلوم نوری اندور

(۵۲) مفتی انوار احمد قادری الجامعۃ الغوثیہ غریب نواز اندور، ایم پی

(۵۳) مولانا محمد عارف صاحب قادری پرنسپل الجامعۃ الغوثیہ غریب نواز، اندور

علمائے الہ آباد

(۵۴) ماہر ہفت لسان حضرت علامہ عاشق الرحمن صاحب حبیبی الہ آباد

(۵۵) مفتی شفیق احمد شریفی پرنسپل دارالعلوم غریب نواز الہ آباد

(۵۶) مفتی مجاہد حسین رضوی شیخ الحدیث دارالعلوم غریب نواز الہ آباد

(۵۷) مولانا فضل رسول رضوی استاذ دارالعلوم غریب نواز الہ آباد

(۵۸) حضرت مولانا ابوسفیان وارثی دارالعلوم غریب نواز الہ آباد

(۵۹) حضرت مولانا مشتاق احمد نوری دارالعلوم غریب نواز الہ آباد

(۶۰) مفتی محمد اسلم مصباحی دارالعلوم افضل المدارس الہ آباد

علمائے بریلی

(۶۱) جملہ مفتیان کرام مرکزی دارالافتاء ۲۸ سوداگران بریلی شریف

(۶۲) حضرت علامہ بہاء المصطفیٰ قادری شیخ الحدیث جامعۃ الرضا بریلی شریف

(۶۳) حضرت مولانا مفتی محمد یونس رضا مونس نائب پرنسپل جامعۃ الرضا بریلی شریف

(۶۴) حضرت مفتی رفیق عالم نوری جامعہ نوریہ رضویہ بریلی شریف

(۶۵) حضرت مولانا صغیر اختر مصباحی جامعہ نوریہ رضویہ بریلی شریف

(۶۶) حضرت مولانا عزیز الرحمن منانی جامعہ نوریہ رضویہ بریلی شریف

علمائے کلکتہ

(۶۷) مفتی مختار عالم رضوی، صدر مجلس علمائے اسلام، کمرہٹی، کلکتہ

(۶۸) مفتی دلدار حسین مصباحی، ضیاء الاسلام، ہاوڑہ، کلکتہ

(۶۹) مفتی احمد علی تیغی مہتمم جامعہ عبداللہ ابن مسعود، کلکتہ

(۷۰) مفتی افضل حسین مصباحی پرنسپل جامعہ عبداللہ ابن مسعود، کلکتہ

(۷۱) مولانا شاہد القادری چیئرمین امام احمد رضا سوسائٹی، کلکتہ

(۷۲) مفتی شہروز عالم دارالعلوم قادریہ حبیبیہ پیل خانہ، ہاوڑہ

(۷۳) مولانا شرف الدین رضوی پرنسپل دارالعلوم قادریہ، ہاوڑہ

علمائے بمبئی ومہاراشٹر

(۷۴) نبیرۂ صدر الشریعہ حضرت مفتی محمود اختر قادری، امجدی رضوی دارالافتاء بمبئی

(۷۵) حضرت مولانا مفتی اشرف رضا صاحب قبلہ دارالعلوم حنفیہ رضویہ قلابہ بمبئی

(۷۶) مولانا منصور علی خان صاحب قبلہ، خطیب وامام سنی بڑی مسجد، مدنپورہ، بمبئی

(۷۷) مفتی سید شاکر حسین سیفی صاحب، صدر شعبۂ افتاء دارالعلوم محبوب سبحانی کرلا بمبئی

(۷۸) مولانا محمد امجد علی قادری مصباحی، شیخ الحدیث دارالعلوم محبوب سبحانی بمبئی

(۷۹) مولانا الحاج ذوالفقار علی برکاتی صاحب، شیخ الادب دارالعلوم محبوب سبحانی بمبئی

(۸۰) مولانا انصار احمد رضوی، پرنسپل دارالعلوم فیضان اعلیٰ حضرت، تھانہ مہاراشٹر

(۸۱) مولانا مفتی غلام مجتبیٰ صاحب، پرنسپل دارالعلوم محمدیہ نعیم الاسلام گونڈی بمبئی

(۸۲) مولانا مفتی جمال احمد خان صاحب، خطیب وامام میمن، مسجد کلیان بمبئی

(۸۳) مولانا مفتی مشرف رضا صاحب، پرنسپل جامعہ اہلسنت رضاء العلوم ساکی ناکہ، بمبئی

(۸۴) حضرت علامہ مفتی سراج انور صاحب قبلہ مصباحی، رابوری تھانہ مہاراشٹر

(۸۵) مولانا صوفی محمد عارف صاحب قبلہ، پرنسپل دارالعلوم رضویہ عبدالسلام گونڈی بمبئی

علمائے بستی وسنت کبیر نگروسدھارتھ نگر

(۸۶) مولانا اسماعیل یار علوی شیخ الحدیث فیض الرسول براؤں شریف

(۸۷) مفتی محمد مستقیم مصطفوی استاذ // //

(۸۸) مفتی نظام الدین نوری استاذ // //

(۸۹) مفتی محمد شہاب الدین نوری مفتی // //

(۹۰) مولانا محمد رابع نورانی ابن بدر ملت استاذ // //

(۹۱) مولانا قاری خلق اللہ فیضی، استاذ // //

(۹۲) مفتی اختر حسین قادری۔ استاذ ومفتی دارالعلوم علیمیہ جمدا شاہی، بستی

(۹۳) مولانا شفیق الرحمن قادری، استاذ // // //

(۹۴) مولانا ڈاکٹر انوار احمد خان بغدادی، // // //

(۹۵) مولانا محمد معراج الحق، بغدادی استاذ // // //

(۹۶) مولانا کمال احمد نظامی، استاذ // // //

(۹۷) علامہ اعجاز احمد قادری، شیخ الحدیث تدریس الاسلام بسڈیلہ سنت کبیر نگر

(۹۸) مفتی محمد عزیر عالم رضوی پرنسپل // // //

(۹۹) مولانا فقیر اللہ مصباحی، استاذ // // //

(۱۰۰) مولانا حبیب الرحمن قادری // // //

(۱۰۱) مولانا نثار احمد اعظمی استاذ // // //

(۱۰۲) مولانا نثار احمد بستوی // // //

(۱۰۳) مولانا عیسیٰ رضوی امجدی پرنسپل دارالعلوم اہلسنت تنویر الاسلام، امرڈوبھا، سنت کبیر نگر

(۱۰۴) مفتی محمد احمد رضا رضوی مصباحی مفتی دارالعلوم اہلسنت تنویر الاسلام امرڈوبھا سنت کبیر نگر

(۱۰۵) مولانا امام علی نوری مصباحی استاذ // // //

(۱۰۶) مولانا محمد مکرم مصباحی استاذ // // //

(۱۰۷) مولانا محمد ناظم علی مصباحی استاذ // // //

(۱۰۸) مولانا قاری محمد مطلوب رضوی // // //

(۱۰۹) شہزادۂ فقیہ ملت، مولانا انوار احمد امجدی، مہتمم دارالعلوم امجدیہ ارشد العلوم بستی

متفرق اضلاع کے علمائے کرام ومفتیان عظام

(۱۱۰) مفتی عابد حسین قادری، نوری شیخ الحدیث فیض العلوم جمشید پور جھارکھنڈ

(۱۱۱) حضرت مولانا عبدالمصطفیٰ حشمتی دارالعلوم مخدومیہ ردولی شریف

(۱۱۲) حضرت مولانا مختار الحسن چرہ محمد پور فیض آباد

(۱۱۳) حضرت مولانا کمال اختر صاحب چرہ محمد پور فیض آباد

(۱۱۴) مفتی محمد اسلم استاذ دارالعلوم غوثیہ تیغیہ رسول آباد ضلع امیٹھی

(۱۱۵) مولانا وصال احمد مصباحی شیخ الحدیث دارالعلوم غوثیہ تیغیہ رسول آباد ضلع امیٹھی

(۱۱۶) مولانا عبدالعزیز خان حشمتی شمسیہ تیغیہ بڑہریا، سیوان

(۱۱۷) علامہ شبیہ القادری غوث الوریٰ عربک کالج، سیوان

(۱۱۸) مولانا ریاض احمد حشمتی قاضئ شہر کانپور

(۱۱۹) مولانا مفتی الیاس احمد نوری اعلم علمائے بلد کانپور